جنگ ٹرکی اور اٹلی کے متعلق رائیں

کوئی کہتا ہے

دکھائے گی نیا اب رنگ ٹرکی — نہ ہوگی مبتلائے جنگ ٹرکی
وہاں بھی آگئیں مغرب کی لہریں — ہوئی اب ہم کنارِ گنگ ٹرکی
بہت خود دار تھے سلطانِ سابق — رہا کرتی تھی ان سے تنگ ٹرکی
ہوئے رخصت وہاں سے اولڈ فیشن — ترقی اب کرے گی نیگ ٹرکی

بعض یہ کہتے ہیں

بدلی وہ ہوا وہ سنبل و گل رخصت — ساقی رخصت وہ ساغرِ مُل رخصت
اب دل میں ہیں دوستانِ ٹرکی شاداں — لو ہوگئے پائنیر کے عبدل رخصت

لیکن بعض یہ فرماتے ہیں

پلید پُر سدِّ راہ مخالف کنوں نماند — اندیشۂ حریف بجال زبوں نماند
آں تیغ عقل و آں نگہہ پُرفسوں نماند — سودا بہ جوش آمد و آں رنگ خوں نماند

چوں رخت خود بہ بست و بروں از مقام شد
عبدالحمید گفت کہ ترکی تمام شد

آں فکر مصر و کابل و جاپان و چین کجا — آں خوض و التفات پئے کارِ دیں کجا
آں پالیسی و آں نگہہِ دوربیں کجا — آں خاتمِ حمید کجا آں نگیں کجا

در دل گداز بیم بجائے اُمید شد

جہاں تک ہمارا رابطہ ذرہ ذرہ
بپا کل ملک میں ہے جشن شادی
تکلف کی نہیں باقی کوئی حد
نہایت فخر ملکِ ہند کو ہے
مکنزی اور پلومر کا ہے وہ لطف
الہ آباد کا ہے بانی اسکول
خدا اس عہد کو رکھے مسلسل
کلکٹر کا بھی ہے دربار عالی

منور ہر سڑک اور ہر مکاں ہے
جدھر دیکھو مسرت کا سماں ہے
ہر اک سو صرف زر صرفِ زباں ہے
کہ اسکا شاہ اسکا میہماں ہے
کہ ہر طفلِ دبستاں شادماں ہے
انھیں کے دم سے رشکِ بوستاں ہے
کہ تا اُس نعمتِ امن و اماں ہے
یہاں بھی خاطر انکو میاں ہے

جن بزرگوں کی طلب سابق و دیرینہ ہے
جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق
دونوں راہوں میں ہے عزت بھی رکاکت بھی ہے
مستند دونوں ہیں ہو چال جو اعزاز کیساتھ
شدتِ حرص سے ہاں ہو رکاکت جو جھکے
نہ اُچھل کود کا چل نہ تملق کا اثر
خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے
امر طاعت ہی ہے شرط پیروں کیلئے
ہاں رزق ضروری ہے تو تجویز یہ ہے

انکو الطاف گورنمنٹ کا گنجینہ ہے
قوم سے انکو مدد لینے کا ہے شوق
موجبِ مدح بھی ہے وجہ شکایت بھی ہے
دونوں رہ سکتے ہیں آسودگی و ناز کے ساتھ
غیر ممکن ہے کہ دل خلق کا رکنے سے رکے
بجز اسکے کہ گھٹے زور میں باہم لڑکر
کس مپرسی ہے تو ہو اسکا خدا مالک ہے
ماسوا اسکے جو ہے شغل ہے یاروں کے لئے
اسکے آگے ہے جو کچھ اس سے مجھے دوری ہے

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے گھر آپ چلے آئیں گے

گفت شاہ از عیب اینان چشم پوشی میکند — یا فریبے خوردہ از زرّیں طباقِ ہیزمان
مسلک و اعمال ایشاں یکدو سالے دیدنیست — کے کند کشفِ حقیقت یکدو ساعت امتحاں
ہمدریں معنی سخن می گفت با طبع ملول — چوں بدیدندش کہ در بندِ غم ست این ناتواں
عاقلے فرمود قولِ شہ مفید ست و نکو — ہمنشیں خندید و گفت این مطلعِ حافظ بخواں

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

یہ پوچھا شیخ سے ملنے کہ کہئے کیا گذرتی ہے — یہ سن اُنیس سو دس ہیں نئے مقصود منظر ہیں
نہایت یاس و حسرت سے وہ بولے کیا کہوں تم سے — یہ وہ مصرعے سنو جن میں نہاں دفتر کے دفتر ہیں
نئی تعلیم کے عرصے تو زندہ ہیں تماشوں میں — پرانی وضع کے زندے مگر مردوں سے بدتر ہیں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں — اک آن میں سو طرف کو مُڑتی دیکھیں
بھولی خوش رنگ چست نازک پیاری — پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار — تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قایم — وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قایم
گو تابعِ جوشِ برق پروازی ہیں — دونوں کے خطوطِ سیر متوازی ہیں
کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے — اللہ اللہ کیا ہنرمندی ہے
اِن جانوروں میں گرلز اسکول کہاں — فطرت کے چمن میں عشقی پھول کہاں
کس پیچ سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں — پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اِس سمت اگر خیالِ انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگِ عرفاں چڑھ جائے

نہ مسجد میں نظر آتے نہ رہتے تم ہو محلوں میں — ترقی پا کے بس لیجاتے ہیں برگد کے تلے تم ہیں
یہی یورش رہی آزادی و تقلید بیجا کی — تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار ہلّوں میں

جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر
آخرت پر اب نہیں باقی رہی میری نظر

فلسفہ نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ[١]
میری چشمِ طبع کو عارض ہے غربی کیٹریکٹ[٢]

میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن[٣] کیجئے
ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجئے

کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر
اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر

چشمِ باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا
کٹ گیا وہ رنگ محسوسات کفر انگیز کا

پھر دل پر مرے تقویٰ کی پٹی باندھ دی
آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

دربارِ دہلی اکطرف لوکل مجالس اکطرف
مرزا کا چم خم اکطرف بدھو کی گھس گھس اکطرف

راجا ہیں ہندی فر ہی موٹر کی طینت آتشی
مرطوب و بارد اکطرف اور حار و یابس اکطرف

ہر چند دل کے نرم ہیں تاہم بہت سرگرم ہیں
سردی کا احساس اکطرف اعزاز کا حس اکطرف

یہ رنگ و بو یہ زینتیں یہ پر تکلف صنعتیں
ہر گوشۂ کیمپ اکطرف اور سارا پیرس اکطرف

آنکھوں کو تم کھولو ذرا دیکھو تو یہ پولو ذرا
تیزی فرس کی اکطرف اور نازِ فارس اکطرف

جوبن پہ باغِ دہر ہے گلشن ہر اک سو شہر ہے
واگوشِ گل ہے اکطرف حیرت میں نرگس اکطرف

پھولے ہیں سب کیرومتی ہے شانِ دہلی دیدنی
دلکش محل کا ہیں اکطرف بارعب آفس اکطرف

سرکش کو فکرِ حفظِ جاں اکبر کا شورِ الاماں
سائنس کا زور اکطرف حسنِ رخِ مس اکطرف

جانِ جہانبانی ہیں یہ عظمت نشانی ہیں یہ
ہفت آسماں ہیں اکطرف اور جارج خامس اکطرف

شاہِ کابل آں سراجِ ملت و روشن خرد
کرد نہضت از رہِ حکمت سوئے ہندوستاں

کول کالج را شرف بخشید از ایلچی خویش
مرحبا گفت و دستِ فیضِ او شد زرفشاں

مرشدِ کالج بہ وجد آمد ز تحسینش ز سے
مدحتِ ایں ہا لقہ بر قلبِ شیخ آمد گراں

---

١ واقعہ ٢ موتیابند ٣ نجات - ١٢

کھل گئے ورنہ رہا شاید مشرق میں حجاب | غل مچا اُترے کابل کے تھے یہہ مغرب کے مرید
للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست | آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی وہ دن رہکے دہلی کی بہار | حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماع انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزیّن اور مشین | پھول اور سبزہ چمک اور روشنی ریل او تار
کیمپ وسیمیں اور برق اور پٹرولیم او تار ہیں | موٹر اور ایروپلین اور جھنڈے اور اقتدار
مشرقی پتلوں میں تھی خدمتگزاری کی اُمنگ | مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر | زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار
بحرِ ہستی لے رہا تھا بیدریغ انگڑائیاں | ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہمکنار
انقلاب دہر کے رنگین نقشے پیش تھے | تکتے تھے اہل بصیرت باغِ عبرت میں بہار
دلّی کے ویرانوں سے اُٹھے تھے تماشا دیکھنے | چشم حیرت بنگئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام | حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامے سے باہر نگاہِ نازِ فتاحانِ ہند | حدّ قانونی کے اندر آرزوؤں کی قطار
خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا | فکر ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار
دعوتیں۔ انعام۔ اسپیچیں۔ قواعد فوج کمپ | عزّتیں خوشیاں۔ اُمیدیں۔ احتیاطیں اعتبار
پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائنیس پھر اہل جاہ | بعد اُسکے شیخ صاحب اُنکے پیچھے خاکسار

میں عسہ نے مرشد سے کہا جا کر یہہ اکبرؔ التماس | کار دنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اُداس

عسہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مصنف مدظلہ کی آنکھ پر بمقام کلکتہ آپریشن ہوا۔ معاً ایک مضمون اُنکے دلمیں پیدا ہوا اور اُسی وقت یہہ اشعار موزوں کرکے لکھوا دئیے ۱۲

عسہ یہہ نظم پرچہ نظام المشائخ دہلی میں بہت مدح کے ساتھ چھپی۔

غرض عورت پہ نہیں ہے چاردیواری کی قید
ہاں مگر خودداری و ضبطِ نظر آساں نہیں
تم میں وہ ضبطِ نظر انہیں وہ خودداری کہاں
اب رہی تعلیم۔ کون اس امر کا مفتوں نہیں

ہو اگر ضبطِ نظر کی اور خودداری کی قید
منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آساں نہیں
رعبِ قومی مثلِ فاتح ملک پر طاری کہاں
بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رکنے لگا
شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا
ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جواں
نئے اندازِ عبادت ہیں نئی صورتِ عیش
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگِ جہاں
بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب
دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب
شیخ صاحب ہی کا ہے ترم میں کیا رعب و وقار
نعرۂ تحقیر کے اسپر ہوئے یار و نہیں بلند
جب حکومت نہیں باقی تو یہہ غمرے کیسے
تم نے شلوار کو پتلون سے بدلا لے شیخ
خود تو گٹ پٹ کے لئے جان دئے دیتے ہو
لال جب خود ہی کنیری[۲] کا ہوا ہے بندہ
دو لہا بھائی کی ہے یہہ رائے نہایت عمدہ
در نظارہ مقفل رہے کب تک ہم پر
اکبر افسردہ شد از گرمی ایں طرزِ سخن

نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی امید
شرم مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید
رمضاں ساعتِ کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید
دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
زہرہ ممبر ہوئیں و وزٹ تھے خضابِ خورشید
کچھ مناسب نہیں اس وقت میں ایسی تمہید
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید
لڑکیاں بول اٹھیں خود بہ طریقِ تائید
کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید
بھر ہمارے واسطے محرم ہے کیوں حبل[۱] ورید
ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید
تو یہہ منیا رہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید
ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید
کیوں نہ غنچوں کے لئے بادِ صبا کی ہو کلید
شیخ بگریخت و در صومعۂ خویش خزید

---

[۱] رگِ گردن ۱۲ [۲] ایک خوش الحان خوبصورت بیرونی چڑیا ۱۲

از مذاقِ مشرقی ہر شیٔ را بیگانگی
چیزے از مغرب بدلہا ہست خاطر خواہ نیست

صف نشیناں چشم یاری میکنند اہم دریغ
کو دلے کاں را دریں محفل جنونِ جاہ نیست

گشتہ ام مایوس ازیں اندازِ آغازِ شما
لا الٰہیت نمایاں ہست و الا اللہ نیست

صورتِ مذہب کہ می سازند تخییل می کنیم
معنیٔ دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

برائے رسالۂ زمانہ

جو اڈورڈ[1] نے چھوڑا شاہی کا تاج
ہوئے جلوہ آرا شہنشاہ جارج

خوشی اِن کی ہے اور اُن کا الم
دو دل ہو رہی ہے زبانِ قلم

قصیدہ کہے یا کہ نوحہ لکھے
کدھر رُخ کرے کیا کہے کیا لکھے

لحد بھی ہے اور مسندِ جاہ بھی
مبارک سلامت بھی ہے آہ بھی

بڑے شور ایوانِ دولت میں ہیں
وہ تربت میں ہیں اور یہ حیرت میں ہیں

شہنشاہ مرحوم تھے صلح جو
نئے اب سریر ہیں بہت نیک خو

وفا و ادب سے ہے یہاں رابطہ
ہماری دعا ہے یہ با ضابطہ

خدا اُن سے خوش ہو انہیں دے فروغ
بڑھیں نیک اور بد رہیں بے فروغ

رہے تخت برطانیہ برقرار
رہے ہند یونہیں اطاعت شعار

وہ سنبھلیں جو رہتے ہیں غفلت میں مست
یہاں تو ہے پہلے ہی سے دل شکست

بگڑتا ہے دنیا میں جو گھر بنا
مسلسل ہے رفتارِ موجِ فنا

خوشی کی بھی لیکن ہے پیہم نمود
بلا ہے تو نعمت کا بھی ہے ورود

ہمیں است آئینِ چرخِ کہن
چہ خوش گفت سعدیِ شیریں سخن

یکے را چو پایاں رسد دورِ عہد
جواں دولتے سر برآرد ز مہد

[1] حضور شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم ۱۲

مادۂ تاریخ ولادت سید ہاشم سلمہ اللہ تعالیٰ

تیغ فاتح	ظہور بدر
۱۸۹۹ع	۱۳۱۷ھ

مادۂ تاریخ ولادت سید عقیل سلمہٗ ابن سید عشرت حسین سلمہٗ

محمد عقیل ابن عشرت

۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات جناب سید تفضل حسین صاحب پدر مصنف

ہو شد وصل ذاتِ رب ذات او — بجو سال تاریخش از ذات رب
۱۳۰۳ھ

تاریخ وفات جناب سید ہادی علی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ الہ آباد

انکے مرنے کا نہ کیوں ہو سب کو غم — سچ تو یہ ہے لاکھوں ہی میں ایک تھے
سنئے اب یہ تاریخ وفات — میر ہادی صلح جو تھے نیک تھے
۱۳۱۷ھ

ایضاً متفرق مصرعے

پاکیزہ سرشت صاحب رائے — میر ہادی از جہان مردانہ رفت

شد زیب بہشت میر ہادی

متعلق اُمورِ خاص

ڈاکٹر مینارڈ[۱] ہیں اپنے ہنر میں لاجواب ۔ ہاتھ اُنکا برق ہے نشتر شعاعِ ماہتاب
ہفت سالہ تھا مرضِ دم بھر میں زائل ہوگیا ۔ آنکھ روشن ہوگئی جاتا رہا سارا حجاب
پانچ ہی دن میں نہ پٹی تھی نہ بستر کی وہ قید ۔ حُسن کلکتہ تھا اور میری نگاہِ انتخاب
ڈاکٹر مینارڈ کو اللہ رکھے شاد کام ۔ اور رہے خلقِ خدا اُنکے ہنر سے فیضیاب

مدرسہ آلہیات خوب ہے کان پور میں ۔ قوم کی سچ جو پوچھئے خدمتِ واقعی یہہ ہے
حمد خدا کے غلغلے ہوگئے بلند اب یہاں ۔ اسمیں ذرا بھی شک نہیں دین کی بہتری یہہ ہے
حضرتِ رعد کا یہاں جوش و خروش دیکھکر ۔ سب نے کہا یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ یہہ ہے

عنبر فشاں[۲] ہوا ہے معطر مکان ہے ۔ کیوڑے کا یہہ عرق نہیں کیوڑے کی جان ہے
کیوڑہ ہے گا بندہ قطرے سے اک گلاس ۔ اسکی یہی ہے جانچ یہی امتحان ہے
صنعتِ صانع کو دیکھا اس روغنِ بادام میں ۔ یاسمن کی روح پھونکی ہے تنِ بادام میں

تاریخ وفات والدہ سید عشرت حسین ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء ماہ عید سنہ ۱۳۲۹ھ

ہم راحت رسان محرم اسرار آبادی ۔ ہمیں تاریخ فوتت گفتہ ام غمخوار آبادی
۱۹۱۰ء

[۱] حضرت مصنف مدظلہ العالی نے یہہ نظم حسب فرمایش جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لکھی۔ اسکا ترجمہ انگریزی ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں فریم میں لگا ہے۔ نواب سید محمد خاں صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹری بنگال کے ذریعہ سے مراسلت ہوئی (۱۲ / ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو آپریشن ہوا تھا)

[۲] یہہ اشعار حضرت مصنف دام فیضہ نے حسب فرمایش شیخ محمد حسین صاحب سکندر پوری ضلع بلیا مصالحے دار نعلبند الملّہ مرشد آباد صدر دکان کنگرا ہٹی کلکتہ نمبر ۲ موجد بادامی روغن و شاہی کیوڑہ وغیرہ کے کیوڑے کی تعریف میں موزوں فرمایا۔ محمد عبدالرحمٰن قیس

طفلِ دل کو الفتِ زلفِ بتاں اک کھیل ہے
خیر ہو ایماں کی یارب کافروں سے میل ہے

مغربی حلقوں میں تفریحیں بھی ہیں ایذا کے ساتھ
اعتبار اسکا ہے مشکل پارک ہے یا جیل ہے

برکتیں ساکت۔ سعادت دم بخود۔ عزم خموش
دل دعا سے بے خبر تدبیر ہی سے میل ہے

کہتے ہیں راہِ ترقی میں ہمارے نوجواں
خضر کی حاجت نہیں ہمکو جہانگک ریل ہے

وضع بدلی۔ گھر کو چھوڑا۔ کاغذوں میں چھپ گئے
چند روزہ کھیل تھا آخر کو سب کھپ گئے

مٹ گئے نقش و نگارِ دیر فانی کے مرید
نام اُنھیں کا رہ گیا روشن جو ہر کو جپ گئے

دل کا ٹکڑا تو رہا باقی پئے راہِ خدا
ریل میں کیا غم جو اکبر کھیت بٹ بے نپ گئے

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حِس ہی نہیں باقی
جسے دیکھو فقط صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوئے قربِ باری پر نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ معنی اک کہانی ہے

ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت باریاں ہیں ابرِ مغرب کی
کوئی آلودۂ آنر کوئی صرفِ جوانی ہے

مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی میں
جلا دے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

آفتِ جاں ہے تجلی آتشِ رخسار کی
خیر ہو یارب نگاہِ شوق سہل انکار کی

مست کر دیتی ہے مجھکو فصلِ گل میں بوئے گل
وجد میں لاتی ہے حالت سبزہ و اشجار کی

بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولوں کی بُو
جسپہ سو جانیں فدا ہوں طبلۂ عطار کی

قطرہ ہائے شبنم پاکیزہ پتوں پر نہیں
سبز پریوں پر چمک ہے موتیوں کے ہار کی

ہر شگوفے پر تڑپ جاتی ہے طبعِ حسن دوست
پتی پتی پر نگاہیں ڈالتا ہوں پیار کی

ناچتا ہوں صحنِ گلشن میں ہوا کے ساتھ ساتھ
ہمنوائی چاہتا ہوں بلبلِ گلزار کی

مجھکو دیوانہ بنا دیتا ہے فطرت کا جمال
عارضِ گل سے خبر ملتی ہے روئے یار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

نکہت گلہائے شاخِ گل میں یہ مستی کہاں
اور ہی خوشبو ہے کچھ تیرے گلے کے ہار کی

زرق زرق و برق برق ہیں دنیا کے نہو اکبر شریک
چپ ہی رہنے پر زبانِ تیز کو راضی کرو

اتنی رغبت دل کی جب مے کی طرف ہے پی نہ لو
مدرسہ مانع نہیں مسجد کا نوٹس ہی نہ لو
دم نکل جانے کا اندیشہ تو ہے مجھکو مگر
نزع میں تم ہو تو میں کیونکر کہوں ہچکی نہ لو
بوسہ و سنبوسہ ارزاں بک رہے ہیں ریل میں
ہے کوئی جس سے کہوں یہ بھی نہ لو وہ بھی نہ لو

دل ترا ہو کہ نہ ہو ہو شریکِ راز کے ساتھ
صوتِ سرمد تو ازل سے ہے اُسی ساز کے ساتھ
کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر
آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ
گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کے طریق
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرداز کے ساتھ
ہاں عطا کی ہے جنھیں چشمِ بصیرت حق نے
اُنکے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ
اِس گلستاں میں نہیں کوئی ہوا خواہ مرا
سب کی سازش ہے اُسی نرگسِ غماز کے ساتھ
پر شکستہ ہوں قفس میں نہ رہا ذوقِ چمن
ولولے دل کے گئے قوتِ پرواز کے ساتھ
دلِ رنگیں کے اُبھرنے میں تصنع کیسا
فصلِ گل آتی ہے سامانِ خداساز کے ساتھ
سعی پر اپنی بہت فخر نہ کر اے اکبر
طے منزل بھی ہے منتِ تگ و تاز کے ساتھ
نیچری سے کوئی الحاد کی پوچھے ترکیب
دین چھوڑا ہے تو کس ٹھاٹھ کس اعزاز کے ساتھ

پارٹی بندی میں ہوتا ہے یہی اے اکبر
کیا تعجب ہے نظر آئیں جو گدھ باز کے ساتھ

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے
نہ رکھیگا خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے
مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے
تری تعلیم جو کچھ ہو ہمارا تو سبق یہہ ہے
یہہ سب فانی خدا باقی خودی پیچھے خدا پہلے

غیر کی حسرت نکلنے دیجیے
خیر میرے دل کو جلنے دیجیے
پارک میں کیا جاؤں ہے وقتِ نماز
بابو صاحب کو ٹہلنے دیجیے

مشرق کے واعظ اکطرف مغرب کی زینت اکطرف
عقلی دلیلیں اکطرف اور دل کی رغبت اکطرف

اسپنسر و مل کے ورق ہیں کس قیامت کے سبق
کل توپخانہ اکطرف بابو کی جرأت اکطرف

اکبر ور تبخانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں
ساری خدائی اکطرف اس بت کی صورت اکطرف

ذکر خدا یاد اجل کافی ہیں اسکے واسطے
میدان آخر اکطرف اکبر کی ہمت اکطرف

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہ حس نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا ابھرتے ہیں

مرا یہ شعر اکبر ایک دفتر ہے معانی کا
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں

معنی کا حسن نہیں تو ترے دل میں کچھ نہیں
لیلی اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں

کار جہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے
اک دل لگی ہے سعی میں حاصل میں کچھ نہیں

اے آفتاب خضر رہ معرفت ہے تو
اتنے ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں

لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے
میرا مزا یہ ہے کہ مرے دل میں کچھ نہیں

انکی سنو خدا نے کہا جن سے صاف صاف
اوہام کے فسانہ باطل میں کچھ نہیں

افسانہ حسن گل کا بڑی چیز ہے حضور
کہتے ہیں آپ شور عنادل میں کچھ نہیں

اسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کمپ
لیکن یہ سب زبان پہ ہے دل میں کچھ نہیں

حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا
حلوا تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں

دلکش بہت ہے افعی گیسوے اختلاف
کونسل سے کیوں کہوں کہ ترے بل میں کچھ نہیں

مٹاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو ان پر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

جس طرف اٹھ گئی ہیں آہیں ہیں
چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں

ذرہ ذرہ ہے خضر شوق تو ہو
چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

نعمت چاہو اک بت نوخیز کو راضی کرو
نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو

لیڈری چاہو تو لفظ قوم ہے مہماں نواز
گپ نویسوں کو اور اہل میز کو راضی کرو

طاعت و امن و سکوں کا دل کو لیکن ہو جو شوق
صبر پر طبع ہوس انگیز کو راضی کرو

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبرؔ میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ رہا رکھے یہہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے اُبلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر اُمید کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اُس حور لقا کو گھر لائے ہو تمکو مبارک اے اکبرؔ
لیکن یہہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

جواب شیخ میں یہہ تو کبھی کہا جاتا
کہ وعظ ٹھیک ہے لیکن نہیں رہا جاتا

طمع نے دین کو کھویا جو ہوتے ہم قانع
کبھی نہ ہاتھ سے یہہ دُرِّ بے بہا جاتا

اُمید وصل جو ہوتی نہ جانفزا اکبرؔ
بھلا یہہ صدمۂ فرقت کبھی سہا جاتا

میں پوچھوں کیوں مرے مرے پہ لوگ کہتے ہیں کیا
یہہ کیا یقین کہ ہے کچھ نہ کچھ کہا جاتا

ترا دل تو ہمیشہ امر خاطر خواہ چاہیگا
مگر ہوگا وہی اکبرؔ کہ جو اللہ چاہیگا

غزل سننی ہو اکبرؔ کی تو اسکو عذر ہی کیا ہے
مگر ہر شعر پہ وہ انجمن میں واہ چاہیگا

کیسے وعدے تھے یہہ اسد ان کی سرِ راہ جناب
آپ سے پھر نہ ملاقات ہوئی واہ جناب

خود فن حرب سیکھ رہے ہیں پریڈ پر
میرے لئے چمن میں شٹل کاک کا ہے کھیل

اظہار ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ
تیرا ہی مشغلہ ہے بہت صاف و بے ضرر

آں اشترِ ضعیف و لگد زدن ازانِ من
واں گربۂ مصاحب یا بابا ازانِ تو

ضمیمہ غزل

عبث بالکل ہے۔ حال دل کسی سے کچھ کہنا
بہت خوش طبیعت ہو تو جائز ہے غزل کہنا

فقط تعمیر کالج پر ہیں پھولوں یہ نہیں ممکن
مبارک آپ ہی لوگوں کو ہوتی کو پھل کہنا

طامع کو گدا پایا قلندر کو غنی دیکھا
اوروں کی نہیں سنتے ہم نے تو یہی دیکھا

عقدے بھی کھلے تجھ سے منظر بھی نظر آئے
آنکھیں بھی کبھی کھولیں دل کو بھی کبھی دیکھا

سازِ قومی پر جو ظاہر آنکا ایما ہو گیا
جو مخالف تھا وہ اپنی عمر میں ویسا ہو گیا

پیش تو میں نے بھی دل کو کر دیا پھر کیا اب
تھا عدو چالاک تر بالکل ہی قیمہ ہو گیا

ہے تلون میں مرا آئینہ رو ہم رنگِ چرخ
مہر طلعت دن کو شب کو ماہِ سیما ہو گیا

عشق قومی میں بھی خطرہ ہے ہلاکت کا مجھے
لیڈروں کے شور سے جان بیما ہو گیا

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا

ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحان ہو گئے چپ آہو نے اچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا

بدلی وہ ہوا گذرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

۱؎ ایک قسم کا انگریزی کھیل

عاصی ہوں میں ۔ فقط یہہ تقاضاے میوز (muse) ہے
یاروں سے التجا ہے پلیز ایکسیوز (please excuse) ہے

ضمیمہ متفرقات

اُسے اکبر ہمارے دل کا تڑپانا نہیں آتا ۔ کہ جس کو علم تو آتا ہے شرمانا نہیں آتا

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہوگیا ۔ جس طرف دیکھو دگرگوں حال سب کا ہوگیا
اِس تغیر سے مگر اُسکو نہیں پہونچا ضرر ۔ انقلاب آیا بھی اکبر پر تو رب کا ہوگیا

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا ۔ مصیبت جھیلنا اور ہادی راہِ خدا بننا
مشینوں[۱] سے لپٹ کر اِسقدر البتہ ممکن ہے ۔ بہ باطن خود گھسٹنا اور بہ ظاہر رہنما بننا

جب ایسی قوم ہے تو پیشوا بھی اُسکے ایسے ہیں ۔ مثل سچ ہے کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے ہیں

جو حکم واعتصمو ہمکو ہے بحبل اللہ ۔ بتائیے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں
ادب میں دین کے اور مسجدوں کی صف میں ہے ۔ کہ لیگ میں ہے وہ اور پانیر کے کالم میں

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں ۔ ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں
قایم نہ رہے ادب تو کیا اِسکا علاج ۔ انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

بگڑ جائیگی میری اُس بت کی اکدن ۔ اِسلئے[۲] اَصلہ یرجع کُلُّ شیٔ
بدن میں روح آجاتی ہے جب گوری رنگت کے ۔ تو جب انگلش پڑھے روزی بھی ملسکتی ہے بلٹو کو

بلینک ورس یعنی بلا قافیہ

اجسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل ۔ اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہمکو درس
ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ واہ ۔ ہم نے تو کردیا ترا رتبہ بلند تر
از صحن خانہ تا لب بام از آن من ۔ وز بام خانہ تا بہ ثریا از آن تو

[۱] کلیں [۲] ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے ۱۲

دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست
رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم
بابو گریجویٹ ہیں کالی کے ساتھ ہیں
بڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے یونہیں بیر
کہتے ہو تم جو صعصعہ تو اُنھیں آئی ہے ہنسی
صعصعہ کا پتا کہاں ہے وہ کتنے ہیں کون ہیں
آنر کے ساتھ نامِ گرامی بھی لکھ گیا
موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس ہے
ارشاد لاجواب تو قرآن ہی کا ہے
وقعت تمہاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں
نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے
اِک دل لگی ہے کانگرس ہو کہ لیگ ہو
طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں
وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر
اک برگ گل کہیگا کہ ہم گل کے جزو ہیں
لاٹھی بھلی ملی ہو اگر اُس کی رگ سے رگ
پھل پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے
مانونگا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
کلفتِ اسی کی مجھ کو ہے ہر آن ہر نفس
گو اپنے ساتھ آپ کا ہرّا نہ لے گیا

گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست
اے مدعیِ دینِ خدا شرم شرم شرم
اِک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں
کچھ خاک میں ملینگے تو کچھ ہونگے جزو غیر
لینے زبانِ شوق غلط لفظ میں پھنسی
مرکز سے ہیں جدا نہ سوا ہیں نہ یون ہیں
لیکن اِدھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا
ارشاد ہو غلط بھی تو اُس کا ڈفنس ہے
قانون بے مثال تو رحمان ہی کا ہے
کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
یہ پانیر پُری کی فقط اک مشین ہے
ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو
شبہے کی کوئی بات نہیں اِس اصول میں
ممکن نہیں کہ پائیے پھل جڑ کو توڑ کر
تم خود کو کیا کہوگے کہ کس کل کے جزو ہیں
بیکار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار
کانٹوں میں اب پھنسو کہ مٹن چاپ بنگئے
پر بالارادہ ذہن سے کچھ دوریاں بھی ہیں
لاکھوں کی سدِّ راہ ہے دنیا ہی کی ہوس
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

بانیٔ طرزِ نو کے طریقوں سے ممتنع
البتہ اُن بناؤں سے جنکے لئے ہے جی
خلقت یا نکو نہ چھوڑینگے اولاد کے لئے
کچھ جال چھوڑ جائینگے صیاد کے لئے

ہم اظہارِ خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں بیچ لگاتے ہیں
مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے
جہاں عشوے ہیں فطرت کے نہ تیار ہوتے ہیں

گردوں کا نہ کر شکوہ اچھی نہیں خودغرضی
اکبر نے کہا واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش
ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی
الحمد رہی قائم منظور ہو یہ عرضی

زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے
وقت کے ساتھ ہی یہ بھی ہیں گذرتے جاتے

ہم میں وہ خوبی دلکوئی نہ رہی
تعلیم جدید سے ہوا کیا حاصل
پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

شکلیں جو بن گئی ہیں یہ ذرّوں کا میل ہے
اِس روشنی میں خاک ہو نشو و نمائے شیخ
جھگڑے جو ہو رہے ہیں یہ فطرت کا کھیل ہے
زیتون کا نہیں ہے یہ مٹی کا تیل ہے

موعودہ ترقی سے خوشی کیوں نہ ہو پیدا
خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوب رہے ہیں
اُمید کے انجن کا بھپارا ابھی بہت ہے
انکے لئے تنکے کا سہارا ابھی بہت ہے

میں بہت اچھا ہوں جی ہاں قدردانی آپکی
غیر پر پھر کیوں ہے اتنی مہربانی آپکی

اد کھیاں ہیں سے سنائی تھیں حریفونکو فقط
شیخ بولے کہ میاں یہ تو بتاؤ ہم سے
شیخ کیوں کود پڑے اُن کو خجالت کیا تھی
تمکو اس دیس میں پشتو کی ضرورت کیا تھی

مری سمجھ سے ہے باہر محیط بے مرکز
تمام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر
ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی
سبب یہ ہے کہ کوئی اور دلگی نہ رہی

چھائی جاتی ہے مرے دل پہ اداسی کیسی
ہمنشیں ہے یہ بڑی بات ذراسی کیسی

روح کا پہچاننا مناسب سے بڑا سائنس ہے
اسمائے ہادیٔ دیں مثاوب جن و انس ہے

موسم گل میں خبر شورِ عنادل کی کمی
خوش رہے باد صبا اِسنتے مرے دل کی کہی

اشعار غیر سے تو مجھے کم سند ملی
من گفتم و محاورہ شد سے مدد ملی

عشاق وقت مرگ قریں کیوں ہوں یاس سے
خوش ہیں نجات مل گئی بار حواس سے

یہہ کیا تم نے کہا اب کوئی ملجا ہے نہ ماویٰ ہے
خدا کے فضل سے بھائی علیگڈھ سے آمادہ ہے

ذوقِ لقائے حق سے دل کو تمہارے بھردے
باطن کی ہے یہہ خوبی مشتاق مرگ کردے

ہو خیر یارب اکبر آشفتہ حال کی
سرجن رقیب اور دوا اسپتال کی

دل میں قوت ہے کچھ نہ جان میں ہے
زندگی اب فقط زبان میں ہے

جانتا ہوں ہو رہا ہے جو نہ ہونا چاہئے
بحث یہہ ہے کب تلک اس غم میں رونا چاہئے

اظہار مصیبت میں اکبر تجھے کیوں کد ہے
اب بہر خدا چپ ہو رونے کی بھی اک حد ہے

جنھیں نہیں فکر آخرت کی یہہ بن سنور کر اُدھر گئی ہے
اِسی سبب سے عروسِ دنیا مری نظر سے اُتر گئی ہے

اظہار اِس معنی نازک کا الفاظ کی حد سے باہر ہے
ہر چیز کے سمجھے ہے گرد اُسکے جو حد خرد سے باہر ہے

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے
اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے

دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہہ مستحق داد
منزل سے اسکو کام ہے اُسکو کلیل ہے

گل تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے
مرے صیاد نے بلبل کو بھی اُلّو بنایا ہے

تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اِک دام بلا ہے
اے کاش کہ اِس عہد میں ہم باپ نہ ہوتے

یہہ آپ کی برکت ہے کہ پیچیدگیاں ہیں
بہتر تھا کمیٹی میں اگر آپ نہ ہوتے

یہہ جو ہنگامۂ تزئین عیش و کامرانی ہے
تماشا غافلوں کا آج ہے کل اک کہانی ہے

مقلدوں کو خوش ہو کے تو کیا دیکھ رہا ہے
جو حالتِ اصلی ہے خدا دیکھ رہا ہے

ایام شباب اور موسم گل تقویٰ کی یہاں کیا ہستی ہے
ہر عضو بدن ہے لذت جو ہر قطرہ خون میں مستی ہے

خیال آتا ہے اکثر اے خدا کیا ہونیوالا ہے
قریب امرگ میں ہم پر بھی کوئی رونیوالا ہے

جسکو خدا سعید کرے وہ سعید ہے
روزے ہوئے ہوں اب جسکے قبول اسکی عید ہے

قوم کیسی کسکو اب اردو زباں کی فکر ہے
غم غلط کرنا ہے بس اور آب و ناں کی فکر ہے

ایک بھی اجماع اکثر کا بہت مشکل ہے اب
سب ہیں مضطر اپنے منھ مٹھو میاں کی فکر ہے

ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزم سامعیں
ہر زباں کو ایک تازہ داستاں کی فکر ہے

عزم کر تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے
لطف کیا ہے لد لئے موٹر پہ زر کے زور سے

غیر ملکوں میں ہنر کو سیکھ تکلیفیں اٹھا
رہ گئے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے

نسخہ آمنت بالمغرب سے چلے نیچری
بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے

نغمۂ شب پر حریفوں کو نہایت ناز ہے
وہ نہیں واقف مری آہ سحر کے زور سے

کالج بنا عمارت فخر النسا بنی
شکر خدا کہ مل گئے آخر بنا بنی

بے پردگی کی ہو نہ یہ دربردہ اک بنا
جنکو یہ ڈر ہے انکی تو جانو پہ آبنی

لیکن نگاہ بغض شناسان وقت ہیں
اعراض قوم کے لئے عمدہ دوا بنی

طلب اپنی نہ بڑھنے دو ضروری رزق کی حد ہے
بچالیگی قناعت تیری تجھکو کفر کی زد سے

دم ہم میں ہے خدا ہی کی حمد و سپاس ہے
دین خدا جدا نہ کرو اپنے پاس سے

عہد ہے جو سو پچاس کو اچھے ملے تو کیا
قائم نہ ہوگی قوم کبھی سو پچاس سے

کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے
ہست میں شبہ نہیں ہے چیست نامعلوم ہے

اس تغیر پر بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز
اور وہ کیا ہے فقط باقی یا قیوم ہے

گئے وہ دن کہ ہم سب سے بڑھے تھے ہم سے سب کم تھے
ہمیں اب کچھ نہیں ہیں اک زمانے میں ہمیں ہم تھے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے
مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

کمزوریوں کو روک دیں زوروں کو کیا کریں
مسلم ہٹے تو فوج کے گوروں کو کیا کریں
منھ بند ہو سکے گا مسلماں شریف کا
چسکا مگر نہ جائیگا صاحب سے بیف کا

دنیا ہی اب درست ہے قایم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

عاشقوں سے بھی متین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہہ اے جانِ جاں شاہی گئی

بجا ہے جائے جو مٹ یونیورسٹی کے لئے
جنونِ قوم کو جائز ہے اِس پری کے لئے

قایم یہی بوٹ اور موزا رکھئے
دل کو مشتاق مس ڈسوزا رکھئے
اِن باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی
پڑھئے جو نماز اور روزہ رکھئے

نغمۂ قومی کا مطرب آجکل ہے ہر سٹی
تال ہے ذکرِ ترقی سم ہے یونیورسٹی
دین کی الفت دلوں سے انکے یونہیں گھٹی
مسلم اُٹھ جائینگے رہجائیگی یونیورسٹی
ہے ضروری لیڈروں میں غیرت و تقویٰ دین
خود جو انہیں نقص ہو تو ہے یہہ لے اکرٹی[۵]

فرق آیا رنگ و بو میں ہو! کونرس گئے
ایسے بھیجے کہ ہند میں مسلم اُبس گئے

کالج و تیجر و حکام ہمہ در کار ند
تا تو پاسے بکف آری و کنی عہدہ پری
طاعتِ حق بھی مگر شرط ہے روٹی جو ملے
شیخ سعدی نے کہا ہے کہ نخفات نخوری

دیکھ آئے قوم سنتے تھے جیسے
چند لڑکے ہیں مشن اسکول کے
بارہ آور پارک میں یہہ ہونگے کیا
گملوں ہی پر رہگئے ہیں پھول کے

ترقی ہو الٰہی شاہد مغرب کے جوبن کی
عجب خوش فعلیاں ہیں آجکل شیخ و برہمن کی
نہ چندا ہے نہ بندھ ہے فقط مغرب کا خندا ہے
اگر چندے یہی حالت رہی شیخ و برہمن کی

کالج ہے دنیوی فوائد کے لئے
قایم ہے یہہ ایسے ہی مقاصد کے لئے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں
کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لئے

کہتا ہوں تو تہمتِ حسد ہوتی ہے
خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے
دنیا طلبی ضرور ہے انسان کو
لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

[۵] افسوس ۱۲

دار الاسلام اب تو شیدائے بتانِ غرب ہے
اب انھیں کے زیر سایہ انکا دار الحرب ہے

کشتِ دل کو نفع پہونچے اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹکس کی تجویز ہے

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت
اگر ہاں چلے پیکر حسب دستور
وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
تلاوت کرتے ہیں وہ پاینیر کی

جب سے عشوؤں کے نقشے ریپبلک ہو گئے
بیسیوں بندے خدا کے آنرایبل ہو گئے

ہمارے شیخ شرعی زندگی بے سود کاٹینگے
مرے و نصیر میں بھی انٹرسٹ اب وہ نہیں لیتے

اب کہاں نشو و نما پائے نہالِ معنی
بزم حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا
کس زمیں پر دل پہ جوش کی بدلی برسے
قوم کو کام ہے باضابطہ لٹریچر سے

اُس بت کی محبت نے چھڑایا ہمیں سب سے
باقی رہی الفت نہ عجم سے نہ عرب سے

لطفِ امروز اور ہے اور فکرِ فردا اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف
راہِ دنیا اور ہے اور راہِ عقبیٰ اور ہے
چشمِ بینا اور ہے چشمِ تماشا اور ہے

بادہ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے
کیا ضرورت نقل کی جب اصل ہی مفقود ہے

اُبھرا ہے رنگ سودا دیوانگی ہری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت
ہے جوشِ موسمِ گل جو پھول ہے پری ہے
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

کعبے میں جلوہ گر رہی دیر میں مستتر رہی
بولی وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے
لیتے ہیں ہم خدا کا نام کہتے ہیں رام رام بھی
اب سمجھے انکو آ گئی دوست بھی ہیں غلام بھی

مہمانِ فلک کہاں سکون پاتا ہے
ہے جسم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
آسودہ جو ہیں انھیں بھی کھلاتا ہے
ظاہر یہ ہے کہ پیٹ دوڑاتا ہے

منظور لے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دورِ فنا میں ہوگی لیکن یہ بات
اسوقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

بہتر یہی ہے کہ پھیر لیں آنکھوں کو گلے سے
کیا فائدہ ہے روز کی اس ہائے ہائے سے

کہتی ہے فلک کی گردش اِن سے	تم کیا ہو تمھاری ہستی کیا ہے
کہتے ہیں وہ کہ اکبرؔ کچھ باولا ہوا ہے	مذہب میں بات کیا ہے مسجد میں کیا دھرا ہے
اِک روز لاٹ صاحب سے بھی تو پوچھ دیکھیں	گرجا میں کیا دھرا ہے جتنا جو وہاں پڑا ہے
مجھ کو بےدل کردے ایسا کون ہے	یاد مجھکو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ہے
عامل ہے ہوا باغ کی معمول ہے مٹی	بنتی ہے کبھی پھول۔ کبھی بھول ہے مٹی
ہے جلوۂ مہر پر تو ماہ تو ہے ظاہر جو نہیں ہے حامئ دیں کوئی	سینے میں تمھارے قلب آگاہ تو ہے بیدل کیوں ہو رہے ہو اللہ تو ہے
رخصت وہ ہوا جو آیا تھا وہ جائیگا جو آیا ہے	حیرت ہو تو کیا صدمہ ہو تو کیا دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے
سینے پہ بحر حسن کے سونے کی چین ہے	سیمیں ہیں دو حباب طلائی یہ پھین ہے
زمانے میں مجھے خواہش اُسکی ہے نہ اِسکی ہے	سرورِ طبع کو کافی فقط اِک جام وہسکی ہے

حسب فرمایش اڈیٹر نظام المشایخ دہلی

کیونکر کہوں طریق عمل اُنکا نیک ہے مجبور ہوں مگر نہ ملوں اُن سے کس طرح	جب عید میں بجاے سوئیوں کے کیک ہے اب تک وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایک ہے
اکبرؔ کی صاف گوئی کو میں نے کیا پسند اللہ سے لگائے رہیں لو جناب شیخ	کل کہہ رہے تھے یار ہیں اپنے کلیگ سے ہم نے تو دل کی لاگ لگائی ہے لیگ سے
موٹر سے نہ گردن کبھی اے یار نکالی	تو نے نہ مری حسرت دیدار نکالی
بتکدے میں جو ملکشا تھے وہ بالم ہو گئے قصد یہ تھا کردوں اِس مطلع کی تشریح مختصر	تھے جو کافر وہ حرم میں جان عالم ہو گئے لکھنے کو بیٹھا جو میں کالم کے کالم ہو گئے
شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے	شمشیر کو چھپائیے زن کو نکالئے
نقاد و جلیس انجمنِ قوم میں موجود نہیں	یاں تو نقشوں کی فقط خانہ پری ہوتی ہے

مجھے گدا کو کر دیا رخصت جو دیکر عطر پان
فاقہ تو ٹوٹا نہیں ہاں عزت افزائی ہوئی

مرکزِ دل بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں
ہر طبیعت مغربی چکر میں ہے آئی ہوئی

مذہب و وضع و زبان قوم کا کسکو خیال
جب اکابر کی نظر آنر کی شیدائی ہوئی

نظمِ اکبر کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب
یہہ اُسے معلوم ہے ٹلتی نہیں آئی ہوئی

نئے مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے
یہہ ہے کے دن کی سیر بس اور وہ کیتک معرز ہے

جو مستی اس سے پیدا ہوگی دختر ہوگی وہ کسکی
یہہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمھاری دختر رز ہے

نہ پھیلا پاؤں تو آنا حیاتِ چند روزہ ہیں
سمجھ لے قبر میں تیرے لئے جا صرف دو گز ہے

نہیں ہے کچھ سند نئی بے اصول ارادوں کے
خدا بچائے تجھے ان زمانہ زادوں سے

وہ وقت اُٹھ گئی جب دل سے آئینِ حجازی کی
امامِ قوم بننے کو ضرورت کیا نمازی کی

تبوں سے اب تو ہیں سرگوشیاں واعظ کی محفل میں
نہ کوئی مجلسی کی بات سنتا ہے نہ رازی کی

ٹھیک پڑھ سکتا نہیں کہتا ہے ناموزوں مجھے
خود زبان معترض ہی خارج از تقطیع ہے

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے

پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

مادہ بہیں اتنی مضطرب نر کے لئے
آمادہ ہیں جس قدر وہ آنر کے لئے

نو حصے تم اپنی نوکری کو دے دو
دسواں حصہ تو ہو پیمبر کے لئے

ہوش آیا ہے تو ہنگامہ ہستی بھی سہی
حسِ لذت ہے طبیعت میں تو مستی بھی سہی

اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن
عورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں
کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے

نیچر ہی سے اُبھرا ہے ترا قامتِ رعنا
نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

بے دینوں کو جوشِ ہستی کیا ہے
بندوں میں یہہ خود پرستی کیا ہے

کہتی ہے یہہ سحری بہ آوازِ بلند / تم کچھ نہ رہے اگر مسلماں نہ رہے

نہایت سچ یہہ قولِ میرزا سلطان احمد ہے / کہ مذہب خود دعا ہے پھر دعا سے کیوں تمہیں کد ہے

روز افزوں ہے بلا شبہہ برٹش اقبال / جو خلاف اسکے تصور کرے وہ وہمی ہے
اپنا اقبال مگر اسنے جو سمجھا ہے اسے / یہہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

بہت ہے ذکرِ مذہب کمپ میں ذکرِ خدا کم ہے / فغاں کا شوق بیحد ہے مگر ذوقِ دعا کم ہے

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہہ پردہ ہند میں / مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے اب اسکی ضرورت ہی نہیں / میرزایانہ ادا تھی سلطنت کی بات تھی
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھیگا کبھی / خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

دونوں کو اگرچہ ہے طلب آنر کی / رُخ اُنکے جدا ہیں اسکی علت کے لئے
بنیاد وہ اپنی چاہتا ہے مضبوط / بے چین ہے یہہ نمودِ حالت کے لئے
ہندو عزت طلب ہے زر کی خاطر / مسلم کو طلب ہے زر کی عزت کے لئے

احسان نہ کچھ الحاد کا ہے امداد نہ کچھ شیطان کی ہے
اکبر کی دلیری حق پہ یہہ ہے یہہ زندہ دلی ایمان کی ہے

وہ نیو قوم کی ہے نہ پشتہ نہ بھیت ہے / مگر طرے جو بن رہے ہیں یہہ تیاگی ریت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہہ شورشِ رفارم / رنج و محن کا ساز ہے بیکلی کا گیت ہے

ممدوح شرق و غرب و شمال و جنوب تھے / تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تم سے کہ کیسے ہیں / ہاں اسمیں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

نقشِ ماضی منظرِ بے معنی و مفہوم ہے / مصلحت فطرت کی ہے یا دہر کا مقسوم ہے
بہ رہا ہے لاکھوں ہی موجوں میں یہہ بحرِ فنا / وِرد کے قابل فقط یا حیّ یا قیوم ہے

اِس بات میں ہے اِک رمز نہاں اِس قافیے میں چالاکی ہے
جب آہ و بکا کا ذکر نہ ہو تو وہ مجلس بے باکی ہے

ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو انکا ہم سفر
موجوں کا ملے حباب نہ ٹھہرے تو ابھر کے ساتھ

فلسفے ہیں کیا دھرا ہی گھر کا ہو یا لندن کی
دشمن دانا سے بچ پہچان لے نادان دوست
سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
صرف لفاظی سے ان روٹروں نہیں ملنے کی بھیک

دلافے ہم کو بھی صاحب سے لائلٹی کا پروانہ
قیامت تک رہے سید ترے آنر کا افسانہ
اڈیٹر بول اٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتبخانہ
مبصر کہہ رہے ہیں وضع ملت کے تغیر پر
بندھی بھی یہہ دُھن تو بس اب ہو چکا مسلم کا ازانا
بہت مشکل ہے نبھنا مشرق و مغرب کا یارانہ
اِدھر صورت فقیرانہ اُدھر سامان شاہانہ
مبارک شیخ کو نانِ جوین کے ساتھ یہ قرأت
ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا
یہہ یونیورسٹی کا مسئلہ کیا کم تھا اے گردوں
کہ چھیڑا تو نے ہم میں ٹرکی والی کا افسانہ

یہ قسمت شیخ جی کی ورنہ اکبر
کجا وہ بت کجا آمنت باللہ

مرشد کی طلب میں جو میں اٹھا تو یہہ بولے
مردہ سمجھ اُنکو کہ جو پہونچے ہوں خدا تک
اِک پیر ڈنر خوردہ و ہر سمت دویدہ
مرشد ہیں وہی جو ہیں گورمنٹ رسیدہ

مجھ کو حسرت نہیں اسکی کہ کریں یاد مجھے
مسمریزم کی ہو۔ تدبیر تو ادوں ہی یہ مشق
یاد آئی بھی تو کیا آئی جو تحقیر کے ساتھ
چھوڑ دیں مجھ کو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

گو یہہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہہ
لذت اسمیں ہے کہ مل جائے ترے دل میں جگہہ

ہر ایک مسلم پکارتا ہے وہ خواہ سنی ہو خواہ جنتی
خدا کی طاعت سے جو ہے باہر فلیس منی فلیس منی

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی
اکبر کی فغاں کو نہ کہو خام خیالی
دشمن اُسے سمجھیگی نظر دیکھنے والی
فرماتے ہیں رو رو کے یہہ خود حضرتِ حالی

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

شیطان ہے دل جو نور ایمان نہ رہے
دشمن ہے زباں جو وردِ قرآں نہ رہے

ہوٹل سے بھلا پرہیز تمہیں اے پنڈت جی مہاراج کہاں
سچ بات کہی جس نے یہ کہا جب لاگ لگی تب لاج کہاں
نظروں میں سما ہے رنگ وہی آنکھیں وہی گلشن ڈھونڈھتی ہیں
موسم وہ نہیں ہے اے اکبر جو بات تھی کل وہ آج کہاں

سر جھکا کر اُن کی سیوا کر تو گردن کو تھان — برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو سود جان
وزن لا املی یہ ماڑاں ہیں مرے ارکان شعر — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

اک برگِ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا — موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمہیں
اچھا جواب خشک یہ اک شاخ نے دیا — موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

اگر دو بیر ہوئے ہیں آپ سچ مچ حق پرستی میں — تو کرتے رہئے کام اپنا انھیں حالاتِ پستی میں

آپس میں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں — اکثر اسی پہ ہے عمل یا تم نہیں یا ہم نہیں

بیان اپنی مصیبت کا تھا مجھے منظور — خیال تھا سوئے تشبیہ جستجوئیں تھیں
ہوا جو ٹائی ٹینک[۱] غرق کہہ دیا میں نے — کہ دل مرا تھا اور اُس دل کی آرزوئیں تھیں

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو — جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کونسل میں اگر پرسش نہ ہوئی مغموم نہ تم اے یار رہو — اللہ بلانے والا ہے مرنے کیلئے تیار رہو

الاپو مغربی سُر میں کوئی راگ — اُٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
جنونِ لیڈری کا دور ہے یہ
خموشی اور قناعت ناروا ہے — فلک کو کہہ رہے بگڑو اور بگاڑو

کیوں جلا رکھا ہے اس دور نے پیری میں مجھے — ستمِ غیر ضروری یہ فلک کا دیکھو
کہا گردوں نے نہیں غیر ضروری یہ بات — اپنے مٹنے کا بتدریج تماشا دیکھو

ہادیٔ قوم بنو، قوم کے مہمان بنو — خود تو پہلے مگر اے یار مسلمان بنو

[۱] تمام جہاز کا جسمیں پندرہ سو یوروپین عمائد غرق ہوگئے۔ مرد عورت بچے ۱۲

مرد جنٹلمین ہو کر پا رہے ہیں جب عروج
بیبیاں پھر گھر میں رنج کس میری کیوں نہیں
مطمئن رہئے نہ رہ جائیگا عورت کا حجاب
چادرِ قومی کی آخر کھلنی جاتی ہیں تہیں

اک طرف دامِ ترقی اک طرف موجِ شراب
ہر طرح حاضر ہیں ہم کہئے پہ پھنسیں کیسے نہیں

اگر مذہب خلل انداز ہے ملکی مقاصد میں
تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

ترقی کی پھبتیں ہم پر چڑھا کیں
گھٹا کی دولت اپنی پیپیں بڑھا کیں
سمیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

مری طرزِ فغاں کی بوالہوس تقلید کرتے ہیں
خجل ہونگے اثر کی بھی اگر امید کرتے ہیں

جہاں کے انقلابوں کے بھی کیا کیا رنگ ہوتے ہیں
بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے دنگ ہوتے ہیں

گذر انکا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ہمیں تو چاہتے ہیں کھینچنا خود ہم سے کھنچتے ہیں
یہ انکی پالسی کے باغ کس پانی سے سینچتے ہیں

نہ اب وہ طشتِ زریں ہیں نہ وہ چاندی کے کلسے ہیں
کمیٹی خوانِ نعمت ہے فقط لفظوں کے جلسے ہیں

فلک پر شانِ عظمت سے ستارے جگمگاتے ہیں
خدا کی سلطنت کی جوبلی ہر شب مناتے ہیں
یہی نظارہ ہمکو محو رکھتا ہے سدا اکبر
فرشتے بے ٹکٹ یہ منظرِ اعظم دکھاتے ہیں

قدم انگریز کلکتے سے دہلی میں جو دھرتے ہیں
تجارت خوب کی اب دیکھیں شاہی کیسی کرتے ہیں

خدا ہی کی عبادت جنکو ہو مقصود اے اکبر
وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرزِ عبادت میں

فلک کو ضد ہے کہ منت کروں پئے راحت
مجھے یہ ہٹ ہے کہ ایذا سہوں و اُف نکروں
وہ کہہ رہا ہے کہ ذلت سہو تو جاؤ چمک
مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تف نہ کروں

پیالہ ہے فقط اللہ کا نام اکبر اسی سے روح کو ہے
اور یوں تو حوادث جدید ہیں دنیا میں بہت افسانے ہیں

عجب کیا شیخ برگڈ میں جو مشتاقِ غلامی ہیں
ہمارے اونٹ صاحب خود ہی کمسریٹ جاتے ہیں

غیر کو لکھتے میں وہ مائی ڈیر لکھتے ہیں
مجھ سے بیگانہ وشی ہے مجھے سر لکھتے ہیں

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں سد رہ حیرت ہے
تمہارے واسطے یہ کیا محل رشک و غیرت ہے

تعجب کیا ہے ہم اُس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں

برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
اجی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں

کہا مہدی نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب ہے
محبت ہو نہو اُنکو اُمید اس کی یہاں کب ہے

برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے
کہا مہدی نے ہاں اسبات سے بندہ بھی واقف ہے

مفقود ہے گو کہ آج یار و نیشن
مانگو خالق سے حضرت جارج کی خیر

صد شکر ہوا ظہور کارونیشن
تم بھی ہو جاؤ گے تو مار و نیشن

حضرت خود واقعات تصنیف کریں
فطرت یہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو

ہم بیٹھ کے انجمن میں تعریف کریں
بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں
کام تو جو کچھ ہے وہ ہے آپ کا
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اُڑے
آئینہ ہے حسرت دنیا کا حال
جلوہ دکھانے کا اُنھیں شوق ہے

سلف گورنمنٹ نے مارا ہمیں
نام ہی نے صرف اُبھارا ہمیں
خوب دیا تم نے بھپارا ہمیں
ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

غضب کی آتش فشاں ہو رہے پڑے ہیں بستر پہ جل رہے ہیں
عرق میں ڈوبے ہوئے سراپا تڑپ رہے ہیں ابل رہے ہیں

مٹاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو اُنپر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

انجنیری نہ آئے تو ایجاد کیا کریں
خلے سے کام لیتے ہیں بیکار عقل ہے

قائم عروج قوم کی بنیاد کیا کریں
یا ترجمہ ہے یا تو کتابوں کی نقل ہے

یہ تو مشکل ہے کہ آپ اسپیچ دیں ہم چپ رہیں
ہاں مگر اسمیں نہیں کچھ عذر جو کہئے کہیں

مکر و فریب و ظلم یہ سب اُسمیں ہیں مگر
شیطان ہیں دلیری و مردانگی نہیں

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں
دینی عملوں کی موج کو بہنے دیں
شبلی کی دُعا بُتانِ مغرب سے یہ ہے
ندوہ کو حضور قبلہ رُخ رہنے دیں

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں
قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو
جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

اِس پیڑ میں خوب ہی کٹہل آئے ہیں
ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
اکبر نے کہا کہ ہم غریبوں کے لئے
نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

نہ ہوں۔ جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں
پسند فرض نہیں اور مجھے گزند نہیں
بجز خطائے نظر۔ اور سہوِ کاتب کے
کچھ اعتراض اگر ہیں تو سودمند نہیں
حدود میں نے معیّن کئے ہیں اپنے لئے
اور اُن حدود کے اندر کہیں ہیں بند نہیں

یہ قول کفر ہو تو بھی تم بفرض محال
کہ روح ہیچ ہے اور بعد مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی لیڈر کو اک نعمت
وگرنہ دل کے لئے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

آپ کی کل میں مرا سوت تو کتنے کا نہیں
کفر کے ساتھ میں اخلاق برتنے کا نہیں

وہ کبھی مجھ کو جواب نامہ لکھتا ہی نہیں
جب گلا کرتا ہوں کہدیتا ہی ہو چکا ہی نہیں

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کا کیا کریں[۱]
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھ کو صبر
کہنے لگا بتایئے تیشے کو کیا کریں

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر
غصہ عبث ہے آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
لے قبلہ مجھ پہ آپ چڑھے آتے ہیں یہ کیوں
ممبر اس انجمن کا ہوں منبر نہیں ہوں میں

روپے کو اپنے کریں صرف وہ جو نکلے ہیں
تو کام آئے غریبوں کے اس محلے میں
یہ بات مجھ کو تو اے ہاشمی پسند نہیں
کہ صرف دولتِ عشرت ہو گیند بلّے میں

ڈیپوٹیشن کی ہر سبزی جو دیکھی اُسنے شملے میں
برہمن نے کہا یہ تناسخ پیدا اور ایسے گملے میں

[۱] آپس کی خانہ جنگی مراد ہے نہ کہ وعظ مذہب ۱۲

آنے والے نہ رہے انجمنِ دل کی طرف
کوئی کالج کی طرف ہے کوئی کونسل کی طرف

بل کھاؤ ہزار خواہ چھانٹو منطق
نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پر عاشق
لکھی ہے صحیح اِک فرنگی نے یہ بات
مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

وسعت ہو زبان کی اُدھر کھلے لب
متروک کو دیکھ کر تو مت اٹک

ہے لیڈرِ قوم کون جب ہو یہ سوال
کہدو اکبر کہ بس برٹش اقبال

فطرت سے الگ اگر تمھارا ہے خیال
تاثیر کچھ اُسمیں ہو یہ ہے امرِ محال
گو طرزِ بیاں پہ شورِ تحسیں اُٹھے
مقبول نہ ہوگے پیشِ اربابِ کمال

کوئی[1] کہتا ہے رکھو صاحب سے میل
کہ آنر کی گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے
مری انجمن بھی اُسی رُخ چلے
کسی ہمت کونسل کی ہے دلمیں چوٹ
عوض لٹھ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ
کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس
کوئی شہدِ اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوقِ تحقیق میں غرق ہے
کوئی راہِ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضموں نگاری کی دھن
کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق
کسی کو نمود و نمایش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں
سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر جس کی مستی بہائے بہیں
خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات
مسلماں کو ہے فرض اُدھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہوئے جمع بہرِ دعا و سلام
کلیسا میں انگریز عالی مقام
کہا میں نے ہوں ہیں تو مسجد سے دور
تو گرجا میں انکے ہے کیوں ازدحام

[1] حسب فرمائش و اصرار اڈیٹر نظام المشائخ برائے رسولنا نمبر

شتر روباہ سے کمتر ہیں بن میں محتبس ہو کر
قرآں ہی دل نہیں تو نورِ عرفاں کیا جگہ پکڑے

ہے بیٹے ہیں شیر گتے زینتِ آغوش میں ہو کر
وہ شکل مہر و مہ ہو جو نہیں کب ہی منعکس ہو کر

رحباب نے طویل مضامیں وہاں پڑھے
میں نے تو بزمِ لغت میں اتنا ہی پڑھ دیا

لیکن مری زبان کا تھا حصۂ مختصر
ابجد احد ابزرگ توئی قصہ مختصر

پیری و افسردگی سب کچھ سہی اکبر مگر
یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی بیچ پر

ظالم ہے تیری خموشی شوخیٔ گفتار پر
اور دین ہے کباب ضرورت کی سیخ پر

نہ سن تو قرآں کا وعظ بھائی خوشی سے تقلید ہے ملے کر
پھرے گا کمپوں میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لے کر

فاقہ سمجھو نہ اسے اس میں ہے اسرارِ نہاں
نہ تجارت کا سلیقہ نہ عبادت سے لگاؤ

عالمِ دین جو ہیں وہ جانتے ہیں صوم کے سر
یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں یا قوم کے سر

اس نظم کا نقطہ نقطہ ہے منبعِ نور
اوجِ ملکوت کلمہ ہے عالم ہر لفظ

ہر حرف سے ہے تجلیٔ حق کا ظہور
ہر بیت اقبال کی ہے بیت المعمور

اللہ رے انقلابِ طرز و مذاقِ مشرق
لیلیٰ کا ناز رخصت۔ اسکول مسٹرس ہیں

حافظ کے شعر کیسے سب پڑھ رہے ہیں ریڈر
سودا ہے قیس غائب اب وہ بنے ہیں لیڈر

تا توانی در جہاں طالب مشو مطلوب باش
مذہبے در گردنم اُفتاد اکبر چارہ نیست

با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
با ہمہ آزادگیہا باکیے منسوب باش

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش
ارشاد ہو تو قسم سوم کو بھی کردوں عرض
لیکن کوئی بھی قسم ہو اچھا ہے شعر اگر

اک شاعری وہ ہے جو لاتی ہے دل کو جوش
اک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ نوش
محفل کو غالباً ہمہ تن پائے گا گوش

پیش آئے ہیں امورِ عادت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو

پایا انہیں ہم نے اپنی راحت کے خلاف
وہ خود ہی ہیں مورثوں کی خصلت کے خلاف

چو سوال کردم از وے زمآل کار کالج
زیر و فسر شنیدم خبرے کہ کس نداند

طفل مکتب کہ سخنہا ز زبان میگوید
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں میگوید

طبع او فونو گرافست و سر و ذہن سبقش
انچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

نہ سنی ہے خوش اور نہ شیعہ ہے شاد
ہے دونوں کے مرکز میں برپا فساد

غم ترکی و ماتم پرشیا
مسدس ادھر ہے ادھر مرثیا

ہے دل روشن مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند

ہاں علیگڈھ کی بھی تم تشبیہ لو
اک معزز پیٹ بس اسکو کہو

پیٹ ہے سب پہ مقدم اے عزیز
گو کہ فکر آخرت ہے اصل چیز

نہ ہر کہ ووٹ بنہاد و خواست ممبری داند
نہ ہر کہ بحث بیاموخت لیڈری داند

نہ ہر کہ ہیٹ بپوشید و کوٹ در بر کرد
ادائے مغرب و آئین مسٹری داند

تھی مرے پیش نظر وہ مس تہذیب پسند
کبھی وہسکی مجھے دیتی تھی کبھی شربت قند

ملک الموت نے ناگاہ بھری ایک زقند
پارک کو چھوڑ کے ہونا ہی پڑا قبر میں بند

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پر
فضل خدا سے ہٹ ہی نہیں آئے راہ پر

ہیں اہل جہاں منکر اللہ سے کد پر
دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کے لحد پر

ہنگامے انہیں کے لئے ہیں صل علی کے
جو زیست میں عاشق تھے ہو اللہ احد پر

حضرت کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک
ہر ذرہ کو ہے ورد رفعنا لک ذکرک

تھی شان جلالی کہ عدو رک نہ گئے آخر
وہ نور تھا عالی کہ صنم جھک گئے آخر

میں بھی ہوں بدل موئد آزادی کا
لیکن اک نکتہ سن لے اے پاک ضمیر

آزاد ہوا اسلئے کہ اغیار ہوں قید
مطلب یہ نہیں کہ خود ہو غیروں کا اسیر

اگلی روش جو تھی وہ تھی پیغمبری کی بات | موجودہ ہر طریق ہے کاریگری کی بات

بیٹھا تھا چٹائی پہ گوشے میں مَیں | نہ اٹھا جو آئے مرے ایک دوست
شکایت انھوں نے جو کی کہہ دیا | تواضع ز گردن فرازاں نکوست

درکار چندہ سیم و زر از جیب خود رفت | مالِ حضور بود براہِ حضور رفت

تضمین بر غزل حافظ

واقفِ سرِّ خفی حافظ اسرار بماند | حدِ بیگانہ باطن صفتِ اظہار بماند
خلق صدرہ طرف شبہ و اقرار بماند | ہر کہ شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند

وانکہ ایں کار ندانست در انکار بماند

شغل و پنج اسمیں کسیکو ہی نہ ہے مفت بہشت | بے خطر کوچۂ رندی میں لگاتے رہے گشت
نہ تو گلشن ہی ہوا معترض اُنپر نہ تو دشت | خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت

قصۂ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

قیس و فرہاد کے قصوں سے بھری ہیں دفتر | آجتک گو کہ فسانوں کا دلوں پر ہے اثر
خوب فرما گئے ہیں حضرتِ حافظ۔ اکبر | از صدائے سخنِ عشق نہ دیدم خوشتر

یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند

میں نے کہا کہ آپ تو مسجد سے ہی مجھے کد | گرجا اُبھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بحد
میں نے کہا مخالف تیرا بھی ہوں تو بولا | میری ہی پالیسی کی واللہ ہے یہ ابجد

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

عشقم عشقِ تو دسلے راچو لطیف و پاک سازد | غم دہر را چہ یارا کہ در اہلاک ما تازد
بس من فگند بر من نظرے کہ کس ندانند | دل من گرفت از وے اثرے کہ کس نہ اند

ہو جاگتوں میں شامل یا تو ہو سونے والا
ہو کر رہیگا اکبر جو کچھ ہے ہونے والا

وقت ہی پر ہر ایک کام اچھا
آسماں کا پروگرام اچھا
قرب ہے جنکو تختِ شاہی سے
دور ہی سے اُنھیں سلام اچھا

فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا
زیادہ اب شبِ غفلت میں سو نہیں سکتا
گذر گیا دلِ دُنیا پسند دُنیا سے
اس انجمن کا میں اب رکن ہو نہیں سکتا

مصیبت آپڑی تو سہل ہی شدت سے غم کرنا
مگر مشکل ہے جینا یا خبر غفلت کو کم کرنا

کرتا نہیں کوئی ان میں ذکرِ مولیٰ
ہے مانگ روپے کی غل ہے دنس لا سولا
مجلس ہے یہی تو اس سے عزلت بہتر
دنیا ہے یہی تو ترکِ دنیا اولیٰ

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

بے زورِ نمود کا اثر کیا
جب مغز نہیں تو لفظ کا کیا

صوفی کا مذہب مختصر سب سے کھرا سب سے جدا
ہم تم سب کے جھگڑے لغو ہیں یا کچھ نہیں یا سب خدا

نہیں اہلِ یقیں جب وہ تو یہ کیا مذہبی ہونگے
اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ اُستادِ باطل کا

ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جکڑا ہوا
مغربی تقریروں نے لیکن منھ کو انجن کر دیا

طالبِ زر ہے جنکو اے اکبر
ہم تو مضموں وہیں سے پاتے ہیں
وہ رہیں منکرِ خزانۂ غیب
معتقد ہم تو اُس سکے ہیں لاریب

نہیں مناسب کہ ہو یہ ہوا کبھی حریفِ ہوسِ صبا
بجا ہے فرار ہے ہیں جو کچھ حکیم عبد العزیز صاحب

حکیم اور بید یکساں ہیں اگر تشخیص اچھی ہو
ہمیں صحت سے مطلب ہے نبض ہو کہ تلسی ہو

حواس مختل سمجھ پریشاں عمل میں سستی قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے کبھی کوئی پالسی ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبر
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محوِ مغرب

بوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا
موسم بدلا جنوں ہی وہ نہ رہا
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر
جب اپنی رگوں میں خون ہی وہ نہ رہا

بگڑا ایں بہت احبہ مگر بات بنی کیا
آنا بہ تکلف جو ہوا ابھی شدنی کیا

زمزمہ اوجِ فلک پہ ہے یہی ہر برڈ کا
ہے یہی مفہوم روسے ارض پر ہر روڈ کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظم برطانیہ
سکہ بیٹھا ہے دلوں پر حضرت اڈورڈ کا

ہمکو ابرو کی کجی نے مارا
شیخ صاحب کو بھی تقوے نے مارا
خانۂ دیں ہوا القصہ تباہ
آئی آواز کہ اِنّا لِلّٰہ

گئی حق پرستی بھی اس دور سے
شرافت کو بھی چرخ نے تہ کیا
یہی شرطِ دعوت ہے اب قوم میں
اگر سیم داری بیار و بیا

پیدا ہوا داغ میں جوشِ نشاط کیا
ننھا سا پھول دیکھئے اس کی بساط کیا

اثر سب پر پڑا ہے انقلابِ رنگِ عالم کا
نہ اب ہے طعن کا موقع نہ اب وقت ماتم کا
بسر کر با قناعت زندگانی کنجِ عزلت میں
نظر میں پر مناسب ہے تصور چھوڑ دے ہم کا

کیا زور تھا وعظ پیریں میں لو تاؤں کا بھی جی چھوٹ گیا
تقویٰ کی بنائیں ہو گئیں شق شیرازہ ملت ٹوٹ گیا

البتہ اس عہد میں دو دل بھی ہیں اے اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

شاد کرنا ہے واجب ان کی طبع نیک کا
ہر ڈنر سے بھیجتے ہیں مجھ کو فوٹو کیک کا
ضعف سے رعشہ ہے یا مغربی ہوا کا ہے اثر
ہینڈ کو میرے مرض لاحق ہوا ہے شیک کا

ہم تو ہر حال کو ماضی ہی سمجھ لیتے ہیں
لوگ مر جائیں گے اور وقت گزر جائیگا

شیخ لندن میں بھی مسجد کی بنا ڈھونڈ گیا
کعبۂ دل میں کلیسا عشق مس کا بن گیا

ہے بے اثر کیا نہیں جسنے فقط کہا
اکبر نے یہ کہا تو کہو کیا غلط کہا

فتح عرب یہ گو ہے تمہیں شوق ناز کا
بہتر ہے اس سے ذوق درود و نماز کا
گردن اٹھائیے نہ بہت پالٹیکس میں
مسجد میں اب ہے کام جبیں نیاز کا

حسن نگاہوں سے کہ جو تھیں خوگرِ طوفِ حرم
آفریں کہئے کہ بت خانے کو اپنا کر لیا

رشتۂ در گردنم افگندہ پیٹ
می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

بزرگانِ ملت نے کی ہے توجہ
کمی پیر رہینگے نہ عالم نہ عابد
ترقی دین ہو گی اب روز افزوں
علیگڈھ کا کالج ہے لندن کی مسجد

دونوں صاحب ہیں محبِ قوم کسکو ووٹ دوں
پیش کر سکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل
بس دعا میری یہ ہے اللہ فرمائے عطا
کامیابی ایک کو اور ایک صبرِ جمیل

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے با صد ملال
کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ
یہ سنکر بہت طبع غمگین ہوئی
مگر اس تصور سے تسکین ہوئی
کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

متفرقات

مبارک ہو فلک کو مائلِ جور و ستم رہنا
طریقِ حق پہ لازم ہے ہمیں ثابت قدم رہنا

مسلم ہے مگر بات نبی کی نہیں سنتا
لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش
آپس میں تو اب کوئی کسی کی نہیں سنتا

من نگویم کہ دریں باغ بیے خنگ و زرا
آخرت پیش نظر دار و بہر رنگ در آ

اس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھیگا
جو کچھ دکھلائیگا خدا دیکھیگا
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے
بے حس ہوگا جو انتہا دیکھیگا

اثباتِ خدا کو منطقی اٹھ نہ سکا
خاک حیرت سے ذہن ہی اٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری
ثابت ہونے کا بار بھی اٹھ نہ سکا

اب ایسے غمزوں سے دلِ غم گشتہ کیا ہوگا بحال
اب تو جو ہونا تھا وہ لے چشمِ کافر ہو چکا

سید امیر حد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی نبیدے خاں کی لاٹھی کی

باز آئیے نہ پولیٹکل انٹریگ سے
جب کچھ نہیں تو لاگ لگا ئینگے لیگ سے

اک شغل زندگی ہے بہارِ نمود ہے
منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ سے

نہیں کچھ اسکی پرسش الفت اللہ کتنی ہے
یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اب کہاں دستِ جنوں تارِ گریباں ہے کہاں
پائنیر اور دستِ مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

آزاد ہوں نہیں ہے کوئی مدعا خاص
جس رخ ہے قافیہ مرا مطلب بھی ہے وہی

مذہب کو شاعروں کی نہ پوچھیں جناب شیخ
جسوقت جو خیال ہے مذہب بھی ہے وہی

ڈنر سے تم کو فرصت یہاں فاقے سے ہم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کب حاضری شب کی اجازت طلب ہوئی
کیوں ضبطِ شوقِ دل کی ضمانت طلب ہوئی

ضمیمۂ ظرافت

بحرِ آزادی میں یہ کیسا تموج ہو گیا
قاصرات الطرف[عـ۵] کو شوقِ تبرج[عـ۶] ہو گیا

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہو گیا
پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہو گا

مرا کینہ نتیجہ ہے جفائے چرخ گرداں کا
مرا پینا ہے منبع سیلِ اشکِ چشم گریاں کا

مرا جینا ہے بس اک سلسلہ انفاسِ سوزاں کا
مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا

طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میری گریباں کا

خدا سر دے تو سودا دے کسی دلچسپ میداں کا
خدا زر دے تو دل کو ذوق دے یورپ کے ساماں کا

خدا پر دے تو ہدہد کر دے بلقیس و سلیماں کا
خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا

جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو لیسی سینلستاں کا

دورِ گردوں نے اُبھارا دیر کو سچ ہے مگر
یہ نہ کہئے حضرتِ سید نے پھر کیا کر لیا

عـ۵ نیچی نگاہ والیاں۔ عـ۶ اپنا سنگار دکھلاتے پھرنا۔

کیا تعجب ہے دیا ووٹ جو لالہ کے لئے
بُت تو تھے ہی مرے معشوق برہمن بھی ہی

کھول کر در کو کہا اُس بُتِ اسکولی نے
جب نقاب اُٹھ گئی آگے سے تو پلمین بھی ہی

کاش کر دے مجھے وہ شاہدِ ہوٹل منظور
کیک تو روز ہے اک رات مٹن بھی ہی

سنتا ہوں قبر مری ریل میں آجائیگی
خوش ہوں جب اِسی راہ میں مدفن بھی ہی

ملّی اک اِس طبیعت کا ملا جو کل یہ کہتا تھا
مرے دل میں خیالاتِ بلند آنے نہیں پاتے

سڑک پر کام میں تکلیف ہے بنگلے پہ بے لطفی
یہاں سایا نہیں ہے اور وہاں گرمی نہیں جاتے

کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے منہ موڑیئے
گرم پانی ڈالئے یا چار پائی چھوڑیئے

زندگی تھی ہی مصیبت موت بھی برباد ہے
کس قدر اِس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہائے

ماسٹر ہیں نزع میں لڑکوں کی شامت دیکھئے
اُنکا فوٹو لیتے ہیں یا پڑھتے نہیں یاسین ہائے

کیا خوشی اِس کی مجھے۔ اُنکو جو نوابی ملی
رد غنی صاحب نے لی مجھ کو وہی آبی ملی

جیب سے مفرور ہی زر بے تحاشا دیکھئے
جلوۂ بازارِ مغرب کا تماشا دیکھئے

نکلا یہ آب و تاب بنارس سے اولڈ بولے
اللہ اُس کو گولڈ بھی دے اور پرل بھی

خواہش ہے اب یہ بعض محبانِ قوم کی
نکلے کسی طرف سے یونہیں ولڈ گرل بھی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

وہ ہیں ذی علم و معزز جنکا ارشاد و عمل
طالبانِ حق کے دل کی کر رہا ہے رہبری

بعض اسپیکر نظر آتے ہیں یا تم کو یہ توہین
نوکری اور ممبری کی منڈوی کی چودھری

یہ غنچے میل کی اُمید کے کھلنے نہیں پاتے
خدا اِس پیٹ سے سمجھے کہ دل ملنے نہیں پاتے

اُنسے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

نہ اُنمیں رنگ باغی کا نہ اُنمیں بو ہے داغی کی
یہ حجت ہے فقط درگاہِ قومی پر چراغی کی

یہ پردہ در دکو سوئے قوم کس نے بھیجا ہے
کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
اِزار بند کو کھدر بنگے جس بیجا ہے

ڈوبے ہوئے ہیں یہ بھی مگر اپنی بات میں
پیرو بھی یہ رہے ہیں خیالی فرات میں

یہ اتنی ستر پوشی تیری اے قوم ترقی غنیمت ہے
دئے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

انضباطِ اکابر کا تصور جو دل میں ہے
یہ وجہ ہے کہ آجتک آنزایل میں ہے

کمسریٹ اب بھی اسکا ہے محتاج دیکھیے
معذور اگرچہ اسکا قدم آب و گل میں ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

راہ مغرب میں یہ لڑکے لٹ گئے
واں نہ پہونچے اور ہم سے چھٹ گئے

شوق ہے پن کا نہ طاقت پاپ کی
سب ہیں بس بڑھتی منالتے آپ کی

ہو چلے ہنگلی کے لکچر اب ہمیں
فکر ہے گنگا کنارے جاپ کی

قطر جو کچھ ہو محیط اک انچ ہے
وہم ہے انکی کمر کی ناپ کی

شیخ جی قانع کے گھر میں تو بسم
ورنہ اب مٹتی ہے ہستی آپ کی

ملاتا ہے دنیا سے اسکو جس شخص کا عقبا حصہ ہے
ہے اتنی بات ٹھکانے کی باقی تو کہانی قصہ ہے

وہ فرماتے ہیں اے اکبر یہ روزہ اک قیامت ہے
بجا ارشاد ہوتا ہے مگر افطار جنت ہے

میں نے جو کہا دیکھو تو ذرا اب قوم پہ کیا جوبن ہے
وہ ہنس کے لگے کہنے صاحب یہ قوم نہیں ہے پلٹن ہے

عزیزانِ وطن کو پہلے ہی سے دیتا ہوں نوٹس
پیرٹ اور چلانے کی آمد ہے حقہ پان جاتا ہے

یہ اتنی گوشمالی طفلِ مکتب کی نہیں اچھی
زباں آتی ہے اسکو ہیچ ہے لیکن کان جاتا ہے

مری ڈاڑھی پہ رہتا ہے وہ بت انکار پر قائم
مگر جب دل دکھاتا ہوں تو فوراً مان جاتا ہے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مافک ہے

نہ مانا شیخ جی نے چلے گئے وس ٹاپیچ یہ کہکر
اگر قائل ہیں یہ بسکٹ تو ہموں اللہ مالک ہے

لگی لپٹی ہر اک سے یہ بری عادت تمہاری ہے
مری جاں اسمیں اک دن احتمال فوجداری ہے

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے بزم رنداں بھی
فقط پیر مغاں تھے آ گئے اب پیر نسواں بھی

شیخ بھی ہیں دید کے سائل بس اتنا فرق ہے
مجھ کو بوسا چاہیے انکو سموسا چاہیے

لیا صبح شب وصل اُسکا بوسہ میں نے یہ سچ ہے — اِسی پر بول اُٹھی وہ شوخ مس یہ فائنل ٹچ ہے

تھا امن کسی قدر سو وہ دن بھی سے چلے — ظاہر ہی کے سمت اہل باطن بھی سے چلے
مجلس پہ ہوا اضافۂ کانفرنس — مسلم تو جا چکے تھے مومن بھی سے چلے

اُس مس کی زباں رات جو لی میں نے دھن میں — بولی کہ تری راہ ترقی میں یہ ہیج ہے
میں نے کہا اسکالرِ مشرق ہو نہیں ای مِس — چپ رہ کہ یہی میری سکنڈ لینگویج ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی — ہو ہی گئے تم غرضکہ ڈپٹی
کرتے کیا اُن سے بھینٹ خالی — کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

شیعہ و سُنی میں جنگ اک دھوم دھامی ہو گئی — چار یار اور پنجتن کی نیکنامی ہو گئی
کیا شرف بخشینگی تم کو عرش پر یہ کاوشیں — جب زمیں پر تم کو غیروں کی غلامی ہو گئی
ایک قرآں ایک قبلہ ایک اللہ اک رسول — بد نصیبی ہے کہ تفریق دوامی ہو گئی
مومنانِ امن جو کو دیر کی سوجھے گی اب — جب حرم کے صحن میں بد انتظامی ہو گئی
اشتعالِ آتشِ افسردہ اس طوفان میں — پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہو گئی
جس نے کھولی بہر صلح و آشتی اپنی زباں — پیش حق مقبول اُسکی خوش کلامی ہو گئی

مکہ تک ریل کا ساماں ہوا چاہتا ہے — اب تو انجن بھی مسلماں ہوا چاہتا ہے

اکبر ابھی تو جی کام کو اُٹھے بشوقِ مغفرت — ہز ہائینس سے کہے ہم غلام ہز لونیس بھی ہوئے

مجھکو ہے پسند اس سبب سے یو۔ پی — یعنی یو پی کا قافیہ ہے ٹوپی
ہے فصل بہاری بھی ہم آہنگ اسکی — جب آتی ہے کرتی ہے اشارا ٹوپی

دور یونیورسٹی میں اِن کی ترقی ہے ضرور — شیخ جی مدیون ہیں اور قوم ڈگری دار ہے

شیخ کو گاندھی نے سلیقے سے — چین کر مغربی طریقے سے
متفق اِس پہ ہو گئے کہ وہ بہ — اب تو یہ مسئلہ ہے متفق بہ

ٹامی کے آگے ٹیمز کا دلچسپ پاٹ ہے — گنگو کی جا لفڑائی گنگا کا گھاٹ ہے

قابل رشک ہے زمانے میں — دن وکیلوں کا رات عاشق کی

سُدیشی گورنمنٹ سے بچ گئی — یہ بائی پرمنٹ سے بچ گئی

افسردگی پہ اُسکے لگا دل جو تڑپنے — کل شب کو کہا میں نے یہ محبوب سے اپنے
گو پاس ترے رہ نہ گئی دولت و حشمت — ہے حسن خداداد وہی اور وہی صورت
سونے ہی کی بدّھی پہ فقط مجھکو نہیں غش — پھولوں کی بھی بدّھی ہے ترے سینے پہ دلکش
جو دل کہ تری پھولوں کی بدّھی کو نہ پوچھے — برباد ہوا ایسا کوئی ادّھی کو نہ پوچھے

نہیں ہلی زباں اُس شوخ کی یہ کون کہتا ہے — میں جب جاتا ہوں اُسکی بزم میں سٹ ڈاؤن کہتا ہے

وضع سابق سے بہت ہندی کو سیری ہو گئی — ہو مبارک مُلک کو مینا کینری ہو گئی

ہیٹ پہونچی شیخ کے سر پہ جو دل کے جوش سے — اور بھڑکے شعلے فتنہ اس سرپوش سے
بنگئے صاحب ہنر صاحب کا کیا ہے آپ میں — کیا کلیں ٹپکینگے سقف بنگلہ خس پوش سے

باغ اُمید کے پھل ہوتے ہیں روز ضائع — ہمکو خدا بچائے اولاد ڈاروں سے

بیدل ہیں پرورسلو تو نہ کیجئے — للہ بات مانئے ٹولو نہ کیجئے
کل شلم کی صدا نہ خوبی فطرت نہ لطف دید — بہتر یہی ہے خواہش فوٹو نہ کیجئے

مجھ خستہ کی ہستی نہیں کچھ آپکے آگے — ٹھہرنے کی ہے کیا اصل ہٹن چاپ کے آگے

ملک پر تاثیر حشیم و وٹ طاری ہو گئی — مُفت شیخ و برہمن میں فوجداری ہو گئی
ہندوؤں کو کیوں نہ اب بھائیں بنائیں صلح و سیت — آریہ مذہب میں بھی توحید جاری ہو گئی
مہری پر جنگ ہو آمیں گئو کا کیا قصور — ملک میں بدنام ناحق یہ بچاری ہو گئی
کرتے ہیں بائیسکل پر خوب وہ دفع ریاح — انتو ہیلن ارغنوں کا یہ سواری ہو گئی

ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے — بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

جن لوگوں نے مسلموں کو بہکایا ہے — کامل کب اُنکو علم و فن آیا ہے
جو فلسفی ہیں اصل وہ ہیں خاموش — الحاد تو ٹٹپنیوں نے پھیلایا ہے

گئے شربت کے دن یاروں کی آ گر اب تو اے اکبر
کبھی سوڈا کبھی لمنڈ کبھی وسکی کبھی ٹی ہے

گل پھینکے ہے یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

اغیار تو دنیا ہیں اُٹھائے ہوئے سر پر
ہم بیٹھے ہیں اس طرح کہ اُٹھتا نہیں سر بھی

اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف
ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اُس بت کی کمر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

ساحل نظر آتا ہے نہ مچھلی ہے نہ بنسی
کیا لہریں لیا کرتے ہیں یہ کانفرنسی

دیر میں محویت بھی ہے وعظ میں قبلہ رو بھی ہے
شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے

بت پہ جو پھر پڑے تو خوش سجدے میں گر پڑے تو جا
وضع نئی چلن نیا مست بھی ہے وضو بھی ہے

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اُس سے تجارت بڑھی ہوئی

ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیرس کا ہے سوپ[1] ہر جگہ

غلطی مجھ سے ضرور یہ ایک ہوئی
پیدا وجہِ فضیحت نیاب ہوئی

لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی
بس کو جو لیا یہ مجھ سے مسٹیک[2] ہوئی

وہ تو گرجا پہ رکا اور یہ گیا کعبے کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

وضع مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

مسمریزم کے عمل میں وہ اب مشغول ہے
مغرب و مشرق میں اک عامل ہے اک معمول ہے

جسم و جاں کیسے کہ عقلوں میں تغیر ہو چلا
تھا جو مکروہ اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے

مطلعِ انوار مشرق سے ہے غافل بے خبر
مستند ہے تو وہ ہے مغرب سے جو منقول ہے

گلشنِ ملت میں پامالی سرافرازی ہے اب
جو خزاں دیدہ ہے برگ اپنی نظر میں پھول ہے

کوئی گھر کرتی نہیں پیدا ہو کچھ کیونکر محیط
مجہول ہے پیچیدگی ہے ابتری ہے بھول ہے

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پر گالی ہے
کالج نے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

[1] صابون [2] غلطی

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے — بھجن کی دھن میں تردید بت طناز کرتی ہے
معزز کرتی ہے انکی نظر ممتاز کرتی ہے — بس اتنا ہے در الحاد کو بھی باز کرتی ہے
معاشر کمپ میں کیوں جا بسے مجھ سے پوچھا یدیں — مثال اولیں خود تجھ پہ کشف راز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بتقیہ ضرور ہے — اس وقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

اپیٹ بھی جا۔ نہ ترک اکبر غضب کی بیوٹی ہے — نہیں نہیں یہ نہ جا یہ حیا کی ڈیوٹی ہے

KOHAM.

جو پوچھا میں نے ہوں کس طرح سے پی — کہا اس مس نے میرے ساتھ سے پی

چیز وہ ہے بنے یورپ میں — بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے

چلا آیا اک ایسا جھولا جھولے — قومی عزت کی ہسٹری کو بھولے
جنت کا خیال ہے نہ باغ دل کا — گملوں ہی پہ اب تو رہتے ہیں ہم پھولے

روح پر ورنہ سہی نشہ ذرا تیز تو ہے — نوجوانوں کے لئے ولولہ انگیز تو ہے
نہ سہی معنی قومی فقط الفاظ سہی — چند احباب کا اک شغل دل آویز تو ہے

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نماز عید بھی — تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی — وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

دربار سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی — مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی
رندی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر — لمینیڈ ہے اور وہسکی بندہ ہے اور بندی

الفت نہ ہو شیخ کی تو عزت ہی سہی — مرشد نہ بناؤ انکو دعوت ہی سہی
بگڑا ہے جو دل زباں ہی کو روکو — رونا جو نہ آئے غم کی صورت ہی سہی

رفتار ترقی یہ کہیں نلچ نہ ہو جاسے — یہ قربت مصری کہیں کھلچ نہ ہو جائے
توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل — مغرب کی مگر کوک سے یہ واچ نہ ہو جائے

اذانوں سے سوا پیدا ارگن انجمن کی سیٹی ہے — اسی پر شیخ بیچارے نے چھائی اپنی پٹی ہے
کہاں باقی رہے ہم میں وہ اوراد سحر گاہی — وظیفے کی جگہ پانیر پایا I.D.T. ہے

سلہ گھڑی

پرانی روشنی کا جواب

بے ضرورت نظر آتا ہے تعلی کا یہ فیر اب تو سب آپکے اپنے ہی ہیں کم رہ گئے غیر	معترض کون ہے جب آپکی نیت ہے بخیر نہ حرم آپ کو بیگانہ سمجھتا ہے نہ غیر

آپ کو سلطنت گورمنٹ سلامت رکھے
مستفید اس سے ہیں تا بقیامت رکھے

غربا بھی ہیں مگر قوم کے اجزا اکثر دور ہے اُنسے خود آرائے مغرب کا اثر	غربا ہی سے تعلق میں ہے اُنکو مفر بحث اُن کی بھی اسی بات پہ ہے ختم مگر

آپکا دل رہِ مغرب کا اگر سالک ہے
کیجئے چین غریبوں کا خدا مالک ہے

آپ بنگلوں میں ہیں مسرور تو پھر ہمکو کیا آپ عہدوں پہ ہیں مغرور تو پھر ہمکو کیا	آپ مسجد سے ہوے دور تو پھر ہم کو کیا چاہ ہے آپ کو منظور تو پھر ہم کو کیا

ہمیں اُبھرنے کی بھی گو ابھی پستی ہیں ہیں
آپ دھبوں کیطرح دامن ہستی میں ہیں

ہر گھڑی فکر ہے بازاری بھی درباری بھی	اک مصیبت ہے جوانی بھی زمینداری بھی
ہے طریق جدید خشک مزاج گو کہ اسمیں ذرا ثقالت ہے	خیر ہے حق میں قدیم چال اچھی پھر بھی بسکٹ سے شیرمال اچھی
مچھر دل سے سب کے پیتا ہے خون خالص اُڑنیکی طاقت اسکو فطرت نے کیوں عطا کی	فضلہ اسنے نہ مچھر صاحب پہ بھی کیوں کہا ہے یہ نشتر ملا مچھر اید ہیلپ کیوں ہے
مشرق غربی جھپیٹ میں ہے کیوں اُسکو ہے مولوی پہ ترجیح کیسہ خالی ہے مگس خالی	دل سینے میں تھا سو پیٹ میں آیا ہے کیا بات مگر سمجھ میں نہیں ہے جو کچھ ہے یہاں پلیٹ میں ہے

کہہ دو اکبر سے یہی لوگ ہیں اس وقت کے شیخ
آلِ سید کو برا کہہ کے گنہگار نہ ہو

دل ہے پیغام رساں جلتے ہیں خالق کی طرف
ہم کو کیا غم ہے اگر ریل نہ ہو تار نہ ہو

گو تبرک ہے بہت شیخ ولیکن ہے تقبل
دب گئے شب کی عبادت کہیں دشوار نہ ہو

شیخ صاحب کی تملق کی نہ قلعی کھل جائے
لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

مغرب نے سایہ ڈالا بتوں پر اثر کے ساتھ
ساری بھی انکی ہو گئی غائب کمر کے ساتھ

ہستی ہی بتری کیا ہے کہ ہو ہم انکا ہم سفر
موج جو نکلے حباب نہ رہے تو ابھر کے ساتھ

احتمالِ فتنہ ہے ہر مجمع و ماتم کیساتھ
گشت کرتی ہے پولس بھی شیخ کی جنت کیساتھ

چھوڑ کر صحنِ حرم اکبر ہے محوِ طوفِ دیر
عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کیساتھ

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلیں گی کنواری لڑکیاں
دلکش و آزاد و خوش رو ساختہ پرداختہ

یہ تو کیا معلوم کیا موقعے عمل کے ہونگے پیش
ہاں نگاہیں ہونگی مائل اسطرف بیساختہ

مغربی تہذیب آگے چل کے جو حالت دکھائے
ایک مدت تک رہینگے نوجوان دل باختہ

اوجِ قومی سے شرافت کا ہما گر جائیگا
خاکیاں سے پست تر دکھلائے دیگی فاختہ

ڈالدے گا سینۂ غیرت سپر میدان میں
تیغِ ابرو ہی نظر آئے گی ہر سو آختہ

کریما ببخشائے برحالِ بندہ
کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

نئی پرانی روشنی کی مکالمت
نئی روشنی کی تعلی

سیر تے ہیں تذکرہ کالج و اسکول کیساتھ
خیر مقدم ہے ہمارا ڈنر اور پھول کے ساتھ

سترِ عورت گو نہیں سینے کے کبھی بھول کیساتھ
مستقل چال ہیں ہم اپنی ہیں اصول کے ساتھ

عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں
دوسری پشت ہے چندے کی طلبگاری میں

کہدیا صاف ہم نے اے مہراج
ہو مبارک تمھیں یہ کام یہ کاج

ما سفیہان کو سے ولد ازیم
یا ڈیپوٹیشن است یا غم میم

باتیں ہرگز خلاف عزت نہ کرو
دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو

بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو
پتلون پہن کے ترک طاعت نہ کرو

اُنھیں دہوتی مبارک ہو انھیں تہمد مبارک ہو
مجھے پتلون اور یاروں کو مجھ سے کد مبارک ہو

قسمت کا نام لیکر اب بھی لگا ہے جائز
لیکن اُسکو لیے۔ اے رام۔ اسے جو ہو چکا ہو

لڑیں کیوں ہندوؤں سے ہم یہیں کے اُن سے پنپے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھنی ہو
مگر ہاں شیخ جی کی پالسی سے ہم نہیں واقف
اسی پر ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

نون تنہا کو یں ہے کیوں میم سے لکھتے ہیں لوگ
مدتوں تک میں نہیں سمجھا تھا اس مضمون کو

آج لٹریری لطیفہ یہ سنا اک دوست سے
میم نے ماہی کے نگلا حضرت ذوالنون کو

اُنکی کل کوششیں تھیں پولٹیکل
اِسکو خالق کی حسنت وجو نہ کہو

کمپ کے شیخ کو کہو مرحوم
قدس اللہ سرہٗ نہ کہو

ذرّہ ذرّہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہی یہاں
عافیت چاہے تو انسان زمیندار نہ ہو

شیخ صاحب یہ مئے سُرخ مجھے تو ہی مفید
شغل کچھ آپ بھی فرمائیں جو انکار نہ ہو

مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں
شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی بیزار نہ ہو

پھیر سکتی نہیں تعویذ سے مجھے کوئی صدا
شرط یہ ہے کہ وہ پازیب کی جھنکار نہ ہو

توپ کی طرح چل اس عہد میں گو منھ ہو سیاہ
سرخروئی اب اسی میں ہے کہ تلوار نہ ہو

آپ کی جنبش ابرو سے ہوئے شیخ بھی چپ
سچ تو یہ ہے نہ چلے کام جو تلوار نہ ہو

ابر فکر آپ کا برسا تو بہت اے اکبر
اعتراضات کی احباب میں بوچھار نہ ہو

یہ بنگالی ہیں جو ثابت ہوئے ہیں اسقدر ثقل
بحمد اللہ کہ غربی پیٹ میں میں خوب بچتا ہوں

حکومت کی جب یہاں نہ رہی
ہر طرح اب ہے عاجزی ہم میں
حنفی نفی ہیں معطل ہیں
اب ہمارے امام حنبل ہیں Humble

آخر اگر ملے جو ہے نام و نمود میں
دوزخ کے داخلہ میں نہیں اُنکو عذر کچھ
کیا حرج زندگی ہو اگر حال زشت میں
نوٹو کوئی لگا دے جو اُنکا بہشت میں

کرتب دکھائیں ممبری کے کیونکر
بی لیگ سے کہارے کوئی حالت میری
جو پیر ضعیف قوم مفتوحہ ہیں
کیوں مجھ سے خفا جناب ممدوحہ ہیں

مد نظر ہے اُنکو مری صحت کا خیال
خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دیتے ہیں یہ حکم
افسوس ہے یہی کہ حریص و خسیس ہیں
ایمان لائیے کہ یہ لڈو نفیس ہیں

در چوکس دیکھتے ہیں وہ نہ سنٹر دیکھتے ہیں
فرنیچر دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جاکے تھانے میں
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں
اُنو لکھے ہیں مشاغل حضرت اکبر کے ان روز و شب
الم ترکیف بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیلخانے میں
مرید اُنکے تو شہر و بنگلیں اُڑے پھرتے ہیں موٹر پر
نظر آتے ہیں لیکن شیخ جی ابتک میانے میں

دو ٹونکے خواستگار ونہیں شیخ جی گھرے ہیں
بارہ برس پر آخر گھوڑے کے دن پھرے ہیں

لینا تھا کام جن سے وہ منسخ ہو گئے ہیں
جو عزم تھے ہمارے وہ فسخ ہو گئے ہیں

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنالو اپنا تم
وہ یہ کہتے ہیں یہ اُس سے کہیے جو شیطان ہو

ملتے ہی جلتے ہیں ناداں جب اپنے قول کو
ہے یہی بہتر کہ واپس لیجیے لاحول کو

ہر آرزوئے دلی کی تم تیچ نہ کرو
لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
سینے پہ تو نکے دسترس مشکل ہے
پوائنٹ یہ سخت ہے اسے ٹچ نہ کرو
Touch point

بابو کہنے لگے بجٹ پہ لڑو
ملک کو دیکھو اپنے حق پہ اڑو

سلہ نیکو کار سلہ فاسق۔ گنہگار

بتوں نے وہ ترقی کی جمال روح پرور میں
کہ پھر انکو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب دل سے عاشق ہو گئے انکے
مزا ہرٹے میں اب وہ ہے جو تھا اللہ اکبر میں

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے
اونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر ہمیں تالیف
کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

بنے بندر سے ہم انسان ترقی اسکو کہتے ہیں
ترقی پر بھی نیٹو ہیں بد نصیبی اسکو کہتے ہیں

یہ نہ پوچھو مجھ سے یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں
شیخ یہ سوچو تمہارے پاس پیسہ کیوں نہیں

سامنے کوچ پر جو لیٹی ہیں
کپتن صاحب کی پیاری بیٹی ہیں

ہوں علالت سے میں بتجویز علاج
روز ہمیر اقضا ہوا ہے آج
حکم دیتا ہے مجھکو اس کا دین
اس لئے کی ہے دعوت مسکین

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا کی مملو ہیں
نراخش تھے قبل کے اب اسپنسر کے تو ہیں

نیست کس مصروف کار دین و قلب مطمئن
یک فنا فی آل انڈسٹری یک فنا فی الڈارون

جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں
وہ بگڑ کر بول اٹھے آپ مرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ
اکبر اٹھتے کیوں نہیں واعظ ابھرتے کیوں نہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
کہ ترکی کے دشمن سے جا کر لڑیں
تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

حکومت سے سب دوستی ہے حائل
رکھو بحث ترقی کو نظر میں
غنیمت ہے شب فرقت کی فرصت
رسالہ لکھو تحقیق کمر میں

بے نماز نہیں ہیں وہ اور ہیں تو شرماتے نہیں
یہ غنیمت ہے کوئی لڑکے تو گرماتے نہیں

انکے حسن اپنی ضرورت ہم نظر کرتے ہیں
گو خوشامد ہے بری چیز مگر کرتے ہیں

نہ دل لیتا ہوں بکٹ پر نہ جیب پوری کر کے پچتا ہوں
مذاق جلسے کو چھوڑ کر دونوں سے بچتا ہوں
دل نکیں ہیں یہاں لیلا رچانے کی ضرورت کیا
اکیلا بیٹھ کر لیلا کی صورت خود ہی جچتا ہوں

سنے شیخونکو کفر سے پاکے قریں یہی کہتی تھی گوہر زہرہ جبیں
یہ موئے تو صریح ہیں دشمن دیں۔ ارے انکا تو کوئی خدا ہی نہیں

نئی سڑکونپہ چلکے ٹھلینگے بہت۔ بڑے لوگونکے منہ کو تکینگے بہت
یہ کمیٹیو میں تو بکینگے بہت۔ وہ لے سجدے میں شوق دعا ہی نہیں

سنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا سے چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے ہو نہیں کچھ
گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

تنہائی و طاعت کا یہ دور ہے اب دشمن
پیڑوں پہ نہ وہ طائر صحرا ہے نہ وہ جوبن
جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کیے ہیں پائیں
املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تمسے
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

جور فلک کا ماجرا آپسے کیا بیاں کریں
تفرقہ دیکھئے ذرا ہمپہ یہ ہیں عجیب دن
عقل سپرد ماسٹر۔ مال سپرد آنجناب
جان سپرد ڈاکٹر روح سپرد ڈارون

پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن
نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے
کہاں کھینچ لیجائیگا ہمکو انجن

دیں سے [illegible] سمجھے جاتے ہیں
پھر بھی اُس بُت کی نگاہوں سے گرے جاتے ہیں
[illegible] لیکن
آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چیرے جاتے ہیں
[illegible] جاتے ہیں
کہ بتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں

[illegible]
کہا کسی نے یہ مسکرا کر بڑے میاں تو بڑے غضب ہیں
[illegible]
ضعیف و خستہ خراب و رسوا یہ میہمان دو چار شب ہیں

[illegible]
گو آپ نے بہت کہا کہا کچھ بھی نہیں
[illegible]
شیخ [illegible] یہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

اگر یا بہ بخشائے بر حال قوم
صلوٰۃ است رائج در اینشان صوم

مرے شکوے نسے کیوں بھرتے ہیں وہ اخبار کے کالم
کوئی یہ شیخ سے کہدے کہ سنئے قبلۂ عالم

جدھر صاحب اُدھر دولت جدھر دولت ادھر چندہ
جدھر چندہ اُدھر آنر جدھر آنر اُدھر بندہ

رہگیا دل ہی میں شوقِ سایۂ الطاف خاص
مجھکو آنے کی اجازت دی نہیں بدر و قم ہیں

کھا نیکے کمرے سے رخصت کر دیا بعد از ڈنر
شیخ فقط چھیریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں

مغربی ڈھول کا سر میں پہونچتا تھا اثر
اسقدر بات بہت خوب تھی عمامے میں

اُبھرے ہم میں عیب اُنکے اور خوبیاں ٹی ہیں
بیدین گر نہیں ہیں تو شیخ جی غبی ہیں

اپنوں کو بد بنایا ہندو کو حب... بنایا
بُت کو خدا بنایا کیا خوب قرطبی ہیں

اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے
اور کہدیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں

حرم میں مسلموں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں
پئے تکریم جہاں بن سنور کے بیبیاں آئیں

طریق مغربی سے ٹیبل آیا کرسیاں آئیں
دلوں میں ولولے اُٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں

اُمنگیں طبع میں ہیں شوق آزادی کا بلوا ہے
کھلینگے گل تو دیکھو گے ابھی کلیوں کا جلوا ہے

مجھے سنا کے یہ کہتا تھا ایک طفل فہیم
یہ سچ ہے ہم میں فدا ادب کی بو بھی نہیں

سبب ہے اِسکا مگر صرف ضعفِ ملت و دیں
جناب قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیر نشیں

کسی میں دم ہی نہیں ہے تو دم بھریں کس کا
بزرگ ہی نہیں باقی ادب کریں کس کا

دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں
بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت
ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

جیسے موقع ملا وہ جا بسا بستی سے جنگل میں
مزا دیتی ہے ٹھمری الفتِ قومی کی جنگل میں

شیخ جی دیر میں بیٹھے ہوئے گاتے تھے بھجن
نگراں سوے برہمن تھے بشوقِ بھبھو چن

میں نے ٹوکا تو لگے کہنے مناسب نہیں کد
ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

بہت روئے وہ یہ سمجھیں حکمت اسکو کہتے ہیں
میں سمجھا خیر تو اُنکی حماقت اسکو کہتے ہیں

میں ہوا رخصت اُسنے بلے اکبر
وصل کے بعد تھینک یو کہکر

پاے ورتیاون و دل در پیشہ از — چندر روزے باہمیں حالت بساز

کرلیا بی اے نے آنکی انٹرنس اس سال پاس — والدہ صاحب تو ہیں خاموش لیکن خوش ہیں ساس

لاٹھی شبان اُٹھاے اگر ذیب کے خلاف — بے ظلم اسکو کہیے جو تہذیب کے خلاف

موج نصیحت اکطرف دل کی روانی اکطرف — کل تشنجیو رہ اکطرف میری جوانی اکطرف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چاے — نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

انجن کو بھبھ آگ ہو مبارک — انگریز کو بھاگ ہو مبارک
دہلی کو سہاگ ہو مبارک — قومی ہمیں راگ ہو مبارک

کمیٹی میں جتنے ہیں ارکان لیگ — بفضل خدا سب ہیں میرے کلیگ
مگر اُسنے ہے مجھکو تخصیص خاص — کہ ہے نام کیساتھ جسکے علیگ

بنگلہ دیکھو تو صرف واحد حاضر — اسپر یہ غضب کہ جمع غائب بالکل

بدلی کے سبب سے چاند آیا نہ نظر — بیٹھے رمضان کے نمازی ہیں ملول
سائنس نے کرلیا تھا منظور انتیس — نیچر نے کہا کہ تو سہی تیس وصول

ہیٹ ہی کو کردیا جب قوم کے سر نے قبول — دخل انگریزی پہ اُردو کی شکایت ہی فضول

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم — شہر ابراہیم باقی۔ دین ابراہیم گم
حسرت عشاق بازار جہا نمیں کچھ نہ پوچھ — زر مہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم
شہر دل کیواسطے اب ان بتوں نے کیا لڑیں — کرچکے ہیں بھائی صاحب ہمتو ہفت اقلیم گم

وہ منانے میں بھی ہنسانے ہیں — کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

دانم کہ سادگی و خاموشی استاد دلی — لقلنید دہر لیکن بر بودہ است ہوشم
سودا سے گفتہ در سر و فدیح صلیب در بر — دانم چرا نگویم دارم چرا نپوشم

شیعہ ہیں بے عیسیٰ و مسیحیم بے مرگ زیست
اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ

مے روم سوئے کلیسا طالبم دخت رزیست
یہ بھی کہینگے پھیلی خدائی بزورِ موت

پہلے ہم لوگ یہہ سمجھتے تھے
ہو گئی اب خیال کی اصلاح

ہر چہ از باپ می رسد نیکوست
ہر چہ از آپ می رسد نیکوست

بہ دینِ نیچری بستیم اُمید
دلے از تجربہ ثابت شدہ ہیچ

ترقی را چو آمادہ برآمد
چو قوم برداشتم مادہ برآمد

مارا فلک نشاندہ بہ پہلوے آں صنم
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پانیر

مدہوشِ لذتیم ندانم دگر چہ کرد
کرزن چہ گفت و لِ چہ شنید و ملہ چہ کرد

رفت دنبال ڈارون آں شوخ
سگِ اصحاب کہف روزے چند

بوزنہ ماند و آدمی گم شد
پئے نیکاں گرفت مردم شد

با نیچری شدیم و نداریم آگہی
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز جبرئیل

یا دیگراں نوشتہ کلکِ قضا چہ کرد
احمد چہ گفت و او چہ شنید و خدا چہ کرد

ہنیٹ رانہ بر سرِ من جائے و ستایاے عزیز
مرد تا مسٹر تواند شد چرا قبلہ شود

خدا کا گھر نہ رکھا ان کو بنگلوں میں یہ ہو کر
بھلایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشیں ہو کر

عہد انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر
کیا تعجب ہے جو نکلا ہے پیمبر نمبر

بے پاس کیے تو ساس کی بھی اب نہیں ہے آس
موقوف شادیاں بھی ہیں اب امتحان پر

مصارفِ سفرِ لندن نہ ہو سکے برداشت
غرض کہ یاروں میں فیون ہی کھلی آخر

شیخ نے عشقِ بتاں کے وہ طریقے سوچے
کہ ہوئے دیر میں بھی اب سنت حضرت مشہور

مشرق سے تجھے اگر ہوئی ہے نفرت
للہ اگر نماز مغرب تو نہ چھوڑ

شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر
کار دنیا سے فراغت ہی عزیزوں کو نہیں

نظر آسکتی ہے اب رونق مذہب کیونکر
پھر کہیں اُس سے الیٰ ربک فارغب کیونکر

بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا — دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

گم ہیں مری نظر سے وہ ساحل دل آویز — ناکامیوں کی موجیں بہنے لگیں بہت تیز
اسٹیمر اپنی ہمکو دیتے نہیں یہ انگریز — کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را

مشرق کے حق میں مہلک مغرب کی ہے یہ پیوند — بدنامیوں سے بچ تو لے مصلح ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر کی سعی میں نے ہر چند — در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

خوش چشم آہوؤں کی صحرا میں ہے اچھل کود — موسم بھی روح پرور ساقی بھی حسب مقصود
فطرت کا حکم نافذ تقویٰ کی فکر بے سود — حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

فہمیدن معانی ہر طبع کے تواند — لذت بیابد آں دل کو رازہا بداند
موجے بسینہ خیزد در شوق غرق ماند — گر مطرب حریفاں ایں نظم من بخواند
در وجد و حالت آرد پیران پارسا را

یہ صندوق کتب بھاری ہے یار اٹھ نہیں سکتا — یہ ہے مذہب تو مجھ سے بار مذہب اٹھ نہیں سکتا
ہوا پردی جگہ اللہ نے مغربی مشینوں کو — زمیں سے غمزۂ انجینری اب اٹھ نہیں سکتا

مشرق یہ ہے گو کہ ضعف پیری غالب — ہر چند کہ ہے غم اسیری غالب
مستی اکبر کی رقص مس سے نہ رکی
چھوٹے یہ نہ ہو سکی بھنبھیری غالب

اکثر اسی ہوس میں سب ہیں کلوخ کمپ — اسکے خوشا نصیب جسے ہو رسوخ کمپ
یہ شیخ شہر کے مردوں کے واسطے — زندوں کو لے مرینگے ہمارے شیوخ کمپ

کچھ ایسی دلفریبی ہوتی ہے اشعار اکبر میں
کہ شور مرحبا ہر گوشۂ محفل سے اُٹھتا ہے

ظرافت

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہو گیا	علم کا مطلب ہی کمانا ہو گیا
چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا	شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ	کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا
شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے	تیغ ابرو کا تھا عاشق۔ خان بہادر کر دیا
لیلیٰ نے سایہ پہنا مجنوں نے کوٹ پہنا	ٹوکا جو میں نے بولے بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بدستور اپنی جگہہ ہیں لیکن	ہے لطف بحر ہستی فیشن کیساتھ بہنا
کہتے ہیں شاعری یہ تری بے اصول ہے	کہتا ہوں صاف میں تو نہیں تجھکو مانتا
میں نے کہا کہ آپ کی کرتا جو پیروی	تو آپ کے سوا کوئی مجھکو نہ جانتا
بی۔ اے کی کمال کامیابی ہے یہی۔	سروس کے لگاؤ سے معزز بننا
بہتر ہے یہی لے دل کھ لیتے نہ تو لولا	دنیا کے حوادث پر واللہ سکوت اولیٰ
شایق تحقیق کے یہہ مضمون سن لیں	انسان کی تشکل جیسے میمون بنا
پاجامہ بھی یونہیں ارتقا سے بدلا	سمٹا اُبھرا غرضکہ پتلون بنا
حکم انگلش کا ملک ہندو کا	اب خدا ہی ہے بھائی صلّو کا
بوزنے کو ارتقا نے کر دیا انسان تو کیا	انقلاب حرف نے مولی کو ولیم کر دیا
ناواقف وزن شعر مجھکو جو سمجھے	اُسکے آگے ضرور ہے چپ رہنا
بلبل کو بھی بے سرا وہ کہدے کا کبھی	ایسے سنجیدہ شخص کا کیا کہنا
مغرب کی لعبتوں نے اسٹیج کو سنوارا	بجنے لگا پیانو چپ ہو گیا چکارا

سند مجھکو ملی تو جل گئے واعظ لگے کہنے
خری کی ہو گئی تکمیل باقی صرف لدنا ہے

کسی محفل میں تم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے
سند جب ہے کہ اُبھرے ذکر حق نام خدا چمکے

یہ جگنو بھی نئی ہی روشنی سے ملتے جلتے ہیں
اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

رنگ شراب سے مری نیت بدل گئی
واعظ کی بات رہ گئی ساقی کی چل گئی

طیار تھے نماز پہ ہم سُن کے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

چمکا ترا جمال جو محفل میں وقت شام
پروانہ بیقرار ہوا شمع جل گئی

عقبیٰ کی بازپرس کا جاتا رہا خیال
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں
پردہ جو اُٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بے وفا سمجھیں نہیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

چشم غفلت کی ہے دنیاوی نتائج پر نظر
دیدۂ تحقیق ہو تو ہے خوش انجامی بھلی

پختہ ہو کر اپنی شاخ دین سے ہوتا ہے جدا
اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

میدان عمل لیگ کا محدود ہے بیشک
ہاں رقبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہیں ہے

ہے کام ابھی کام آ جو پڑے دھرم کا نام
جز موت کہیں اس میں فُل اسٹاپ نہیں ہے

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گذرتی ہے

نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانے کو
وہی ذرے ابھرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے

وہ وہ ذرے بلا اذن خدا اٹھ ہی نہیں سکتے
کہ جن کے میل سے سائنس کی قوت ابھرتی ہے

جو ہیں اہل بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے

زبانیں مختلف بھی ہوں اگر دو حق پرستوں کی
سمجھ پہنچ جاتی ہے نیت کی خوبی کام کرتی ہے

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبہ و دستار پر
ایک دن انکو تلک بندھوائے دھوتی ہی تھی

مجھے اک بوسہ دینے میں بھی وہ مس بخل کرتی ہے
نصیب چھپے نہیں میرے لئے حاتم بھی ممسک ہے

یہاں حدِ سماعت کو نہیں کچھ دخل اے صاحب
یہ مانا آپ تائب ہیں مگر اللہ مالک ہے

خدا ہی کو فقط حاصل ہے حقِّ دلبری اکبر
دیا دل جسنے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے

جو گذروگے اُدھر سے میرا اجڑا گاؤں دیکھوگے
شکستہ ایک مسجد ہے بغل میں گوردوارک ہے

خیالِ آخرت کا جس نہیں جسکی طبیعت میں
اُسے کیوں منطقی دُنیا میں کہتے ہیں مُدرک ہے

فطرتی سلسلے میں لطف بھی ہے قہر بھی ہے
خوانِ الوان پہ یہاں شہد بھی ہے زہر بھی ہے

اسی میدان میں ہوا تشنہ لبی سے میں ہلاک
اسی میدان کے آغوش میں اک نہر بھی ہے

کیمپ ہی میں نظر آتی ہے اُنھیں قوتِ قوم
ورنہ بسنے کو تو دیہات بھی ہے شہر بھی ہے

زخمی ہوا تھا دل ایسا سینے میں کھٹک دن رات نہ تھی
پہلے بھی ہوئے تھے کچھ صدمے روئے تھے مگر یہ بات نہ تھی

اب نشو و نما کا وقت نہیں اب عمر نہیں امیدوں کی
دنیا سے لگاوٹ کیا میں کروں قوت ہی نہیں امید ہی کی

تفریح و سفر کا شوق نہیں دہلی ہے نہ اب کلکتہ ہے
عشرت کیلئے کافی ہے دعا ہاشم کا خیال البتہ ہے

آپ سے بیحد محبت ہے مجھے
آپ کیوں چپ ہیں یہ حیرت ہے مجھے

شاعری میرے لئے آساں نہیں
جھوٹ سے واللہ نفرت ہے مجھے

زور بندی ہے نصیبِ دیگراں
شاعری کی صرف قوت ہے مجھے

نغمۂ یورپ سے میں واقف نہیں
دیس ہی کی یاد ہے بس گت مجھے

دیدیا میں نے بلا شرط اُن کو دل
مل رہیگی کچھ نہ کچھ قیمت مجھے

برہمن سے میں نے کر لی دوستی
بت بھی اب کہنے لگے حضرت مجھے

قبل از غرور و نازِ حکومت کی فکر کر
فرعونیت کے واسطے سامان چاہیئے

میں نے جو دل کو پیش کیا اُسکے سامنے
کہنے لگا وہ شوخ مجھے جان چاہیئے

پنڈت کو بھی سلام ہے اور مولوی کو بھی
مذہب نہ چاہیئے مجھے ایمان چاہیئے

نہیں دشوار کچھ صحت پہ اسکی شرط بدنا ہے
جو دنیادار ہے وہ قاعدے کی رو سے ادنی ہے

خموشی سے طریقِ راست پر قایم رہ اے اکبرؔ
نہ جا گفت و شنود دھر پر خلقت آج بکتی ہے

نہیں سائنس واقفِ کارِ دیں سے
مشینوں نے کیا نیکوں کو رخصت
بساطِ حلقۂ میونسپل دیکھو

خدا باہر ہے حدّ دوربیں سے
کبوتر اُڑ گئے انجن کی پیں سے
تجھے کیا کام ہے جاپان و چیں سے

مہوشوں کی مہربانی ہو چکی
عاقبت کا اب خیال آنے لگا
قوم کی مسجد میں کیجے جھاڑ پھونک
آج ماتم کرتے ہو ذکرِ انحطاط

چار دن کی چاندنی تھی ہو چکی
شورشِ عہدِ جوانی ہو چکی
اسپتالوں میں وہ اچھی ہو چکی
مدتیں گذریں کہ دہلی ہو چکی

پھر عمل کی کوئی راہ اب اے خدا نہیں ہے
تعلیم و تربیت کا ہے اختلاف برجا
ہر سر میں ہے یہ سودا ہم چرا نگوییم
اونچے بہک رہے ہیں نیچے دبک رہے ہیں
جسکو بقا نہیں ہے وہ دلکشا نہیں ہے
اے وہ کہ بیکسوں کو آتی ہے یاد تیری

میں کچھ سند نہیں ہوں ہم کا پتا نہیں ہے
جو کورس ایک کا ہے وہ اور کا نہیں ہے
وہ کون ہے جو دانشا بنکر اٹھا نہیں ہے
ہے پیٹ ہی کا سودا دل کا پتا نہیں ہے
جسکو فنا نہیں ہے اُس کا پتا نہیں ہے
میرا ابھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

نہیں ہے علم انھیں جہل کی مستی کا جھگڑا ہے
فقط اک ہستیِ اعلیٰ کا یہ تو دلمیں پڑتا ہے

یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے
جو کچھ اسکے سوا ہے وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

مسرت ہوئی ہنسلئے دو گھڑی
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست

مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
سلایا شبِ گور نے سو رہے

رہتی ماشا سے ہمسر پائیں کیوں خیر الامم پہلے
جماعت اور صف بندی کا ایما بعد کو ہوگا

ہمیں دلمیں کریں انصاف تم پہلے کہ ہم پہلے
عزیزوں سے کہو مسجد میں تو رکھیں قدم پہلے

نہ وہ بتکدے کہیں رہ گئے نہ وہ دلبری کو صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے
اب اُنھیں کے کوچہ کی دھوم ہے نہیں کرتا ذکر ارم کوئی
اُنھیں ضد بھی تھی اسی بات کی کہ نہ ذکرِ باغِ ارم رہے
مری رندیوں کا ہے خاتمہ۔ نہ وہ مستیاں نہ وہ ولولے
نہ مئے کہن کا رہا نشاں۔ نہ طریق محفلِ جم رہے
مجھے کیا اُمید فروغ کی کہ بتوں کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زباں رہے نہ خدا رہے نہ حرم رہے

کہاں وہ اب لطف باہمی ہے محبتوں میں بہت کمی ہے
مری وفا میں ہے کیا تزلزل مری اطاعت میں کیا کمی ہے
وہی ہے فضل خدا سے اب تک ترقی کار حسن و الفت
عجیب جلوے ہیں ہوش دشمن کہ وہم کی بھی قدم رکے ہیں
نہ کوئی تکریم باہمی ہے نہ پیار باقی ہے اب دلوں میں
کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو بھلائی ہیں سب نے اگلی ریتیں
نظر مری اور ہی طرف ہے ہزار رنگ زمانہ بدلے
اگرچہ میں رند محترم ہوں مگر اسے شیخ سے نہ پوچھو

چلی ہے کیسی ہوا الٰہی کہ ہر طبیعت میں نرمی ہے
یہ کیوں نگاہیں پھری ہیں مجھ سے مزاج میں کیوں یہ برہمی ہے
نہ وہ ہیں مشق ستم میں قاصر نہ خون دل کی یہاں کمی ہے
عجیب منظر ہیں حیرت افزا نظر جہاں تھی وہیں تھمی ہے
یہ عرف تحریر میں ڈیڑھ سر ہے یا حباب بگڑی ہے
عقیدے سب کے ہیں تین تیرہ نہ گیارھویں ہے نہ اشٹمی ہے
ہزار باتیں بنائے ناصح جمی ہے دل میں جو کچھ جمی ہے
کہ ان کے آگے تو اس زمانے میں ساری دنیا جہنمی ہے

جلوہ دکھا اپنا تماشا کرے
تجربہ اور جانچ ضروری سمجھ
اردو پہ یہ خدمت بڑ گڑے ہے یار

فلسفہ الفاظ تراشا کرے
لاکھ کوئی کلا دھاشا کرے
خراب اس کام کو بھاشا کرے

ہوس میری بصد حسرت بتوں کے منہ کو تکتی ہے
نہیں معلوم اب کیوں کافری مجھ سے کھٹکتی ہے

غربت میں عمر گذری نام و نشاں نہ پوچھو
نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں وطن کے

زخموں سے چور ہیں ہم اسکا خیال کسکو
تیرے چمن میں ہر طرف بس نیچرے ہی بانکپن کے

تھی نیک سعی تیری اے باد صبح گاہی
تجھکو کیا معطل کلیوں نے پھول بن کے

مغرب کا وعظ ادھر بھی اے پیر ملت لو
اس شہر میں بھی مردے محتاج ہیں کفن کے

آہ جو دل سے نکالی جائے گی
کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی

یاد اُن کی ہے بہت عزلت پسند
آہ بھی دل سے نکالی جائے گی

نزع اچھی ہے کہ روٹھی تجھسے جان
حشر کہتا ہے منائی جائے گی

اس نزاکت پر یہ شمشیر جفا
آپ سے کیونکر سنبھالی جائے گی

بے تکلف چلتے ہیں سوز و گداز
شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائے گی

کیا غمِ دُنیا کا ڈر مجھ رند کو
اور اک بوتل چڑھالی جائے گی

زندگی کی کل ہے پیچیدہ تو خیر
سانس نے لیکر چلالی جائے گی

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا
احتیاطاً کچھ منگالی جائے گی

یاد ابرو میں ہے اکبر محو کیوں
کب تری یہ کج خیالی جائے گی

پاس خاطر تھا اگر تو بیچ کیوں ہمکو دئے
اب عبث ہے اسکی پرسش دل بھر آیا رو دئے

بوسۂ رخ کی طلب تیر مژہ سے رُک گئی
اُس نے شوخی سے رہ گلچیں میں کانٹے بو دئے

مری رسائی ہے دیر میں بھی حرم میں بھی میری منزلت ہے
بتوں سے بھی ربط کی ہے توقع خدا سے اُمید مغفرت ہے

جھکا ہے سر اپنا پائے بت پر زباں پہ ہے گلا جفا کا
مرے عمل میں ہے طرز سید غزل میں انداز لاجپت ہے

وصل نے کب مجھے سلایا ہے
ہجر ہی نے سدا رُلایا ہے

میں نے کب کی نگاہ گل کیطرف
تمنے کیوں مجھسے منھ پھلایا ہے

کیا خوشی ہو جو کوئی آکے کہے
کہ اُنھوں نے تمھیں بلایا ہے

ایک دن چشم کرم بھی ہو ادھر اے قاتل
ظلم کے ساتھ کبھی بندہ نوازی بھی سہی

آرزو دنیا میں کب نکلی اولوالابصار کی
چشم موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

سوز جاں ہوتی ہے جنبش ابروئے خمدار کی
آگ کر دیتی ہے دلکو آب اس تلوار کی

ہے گرانی قلب پر اوہام کے انبار کی
حاجت اِس خرمن کو ہے برقِ نگاہ یار کی

دھوم ہے زیرِ فلک حسن و جمال یار کی
ذرے ذرے سے عیاں ہے آرزو دیدار کی

دستِ گلچیں پھر رہا ہے شاخِ گل پر بیدریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی

اُلفت اُنکی نرگس فتاں کی ہے۔ آرام سوز
نیند اُڑا دیتی ہے یاد اُس فتنۂ بیدار کی

دستِ گلچیں کے لئے فطرت میں ہیں یہ کانٹے
چشم بلبل کے لئے زحمت نہیں ہے خار کی

وہ ادا اسوقت تمنے کی کہ دل تڑپا دیا
اب نہ کہئے محل کیا تھی ضرورت پیار کی

خوش ہیں دنیا جانتی ہے یہ بھی تو نہیں ہونگے خوش
خلق و عالم کو خبر کیا میرے حالِ زار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

غیر سے ترکیب کیا جانے بھلا آداب عشق
کیجئے گا آپ اک دن قدر میرے پیار کی

ہے زلیخا کا سا گاہک حضرت یوسف سا مال
دیدنی ہے آج رونق مصر کے بازار کی

شعر تر اکبر کے سن لے سامع عالی دماغ
قدر کر لے آسماں اس ابر گوہر بار کی

کیا ہے مذہب۔ ایک ملکی و سوشل انتظام
یہ نہیں پہچان ہرگز کافر و دیندار کی

صورت و الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار
ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی گفتار کی

ہیں ہر اک مذہب میں کچھ کافر بھی کچھ دیندار بھی
یاد رکھ تو بات یہ اک محرم اسرار کی

مفتوں ہو گئے ہم اس بے بقا چمن کے
آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی نے پھول بنکے

ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
اُٹھتے جو ہیں بگولے برباد ہونگے تن کے

گونجی بہت ہے اس میں فریاد بیکسوں کی
ٹکڑے اُڑینگے اک دن اِس گنبد کہن کے

روتے ہیں دوست میری لاش پہ بے اختیار — یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اسکی جان لی
میں تو انجن کی سگلے بازی کا قائل ہو گیا — رہ گئے نغمے حُدی خوانوں نے ایسی تان لی

حضرتِ اکبر کے استقلال کا ہوں معترف
تا بمرگ اُسپر رہے قایم جو دل میں ٹھان لی

اب خاک پہ ہیں کل تخت پہ تھے اک زیست کی حالت وہ بھی تھی
اللہ کی قدرت یہ بھی ہے اللہ کی قدرت وہ بھی تھی
پریاں بھی لگاوٹ کرتی تھیں اب دیو بھی مجھسے کھنچتے ہیں
فطرت ہی کی صورت یہ بھی ہے فطرت ہی کی صورت وہ بھی تھی

انسان فقط عجز و دعا ہی کے لئے ہے — جو عزت و عظمت ہے خدا ہی کیلئے ہے

حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی — حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی
اس زندگی سے خود ہی کیا ہے تجھے اسیر — تجھکو یہ کیوں ہے شوق و تمنائے زندگی

جانتے ہیں کہ سدا خونِ جگر پینا ہے — پھر خوشی کیا کہ ابھی ہمکو بہت جینا ہے

تجھے لُٹنے ہے مرد وقتی تری آرزو بھی عجیب ہے — وہ ہیں تخت پر تو ہیں خاک پر وہ امیر ہیں تو غریب ہے
یے حسینہ جہاں ہیں جو کوششیں وہ الگ کیا ہے ہیں سا ترین — اور اسی روش میں ہیں خود اُنہیں یہ معاملہ بھی عجیب ہے
ترا [illegible] سب خیال ہے وہی وجد ہے وہی حال ہے — تری انجمن سے ہوں دور اگر مرا دل تو مجھسے قریب ہے
اُسے [illegible] کیا جو ہو محو تار و نکی چال کا — وہ نظر زمیں پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں کا قریب ہے
جو خدا کا [illegible] ہے مجھ تو یہ کہ ہمیں [illegible] کیا — مگر ایک بات ہے واعظا کہ بہار آئی تو قریب ہے

[illegible] آ چلے [illegible] نمازی بھی سہی — پت جو موقع پہ ملیں دست درازی بھی سہی
[illegible] اُسے [illegible] ہوا — کہدیا صاف کہ ترکی ہے تو نازی بھی سہی
[illegible] ہے عروج — خیر لمتے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی
[illegible] — تیری خاطر سے اک آہنگ حجازی بھی سہی

دن رات کی یہ چپقلش ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار برے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

دنیا کیلئے ہنگامے تھے خلق ایکطرف آپ ایکطرف
اب شہر خموشاں عالم ہو مٹی ہے لحد کا کونا ہے

کیوں پست ہوئی ہے ہمت دل کیوں رک رہی ہیں باتیں
کوشش تو ہم اپنی سی کریں ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

ترکیب و تکلف لاکھ کرو فطرت نہیں چھپتی اے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

جوشش سودا کو طبع لاابالی چاہیئے
منظر مجنوں کو تصویر خیالی چاہیئے

انکے مضمون کمر کا باندھنا آسان نہیں
مدتوں مشاق نازک خیالی چاہیئے

ہر در میخانہ اکبر کے لئے دلکش نہیں
بادہ صافی چاہئے اور ظرف عالی چاہیئے

نظر کن سوی او تا نور چشم قدسیاں باشی
بنہ سر بر زمین کوی او تا آسماں باشی

شریک بیکسی بودن ترا با ہمدماں اکبر
ازاں بہتر کہ در بزم حریفاں شادماں باشی

ز فیض راستی چوں سرو گشتی اندریں گلشن
بزن گامے براہ سعی تا سرو رواں باشی

چل رہی ہے جسطرح دنیا کو چلنے دیجئے
مل رہی ہے ہاتھ اگر منطق تو ملنے دیجئے

قوم اب کہاں ہر اک کی خوشی غم کیا نہ ہے
سچ تو یہ ہے کہ ہیں کام اہم کے ساتھ ہے

دل کو آتا جگہ تیر قضا کرتی ہے
حسن کا حق وہ نظر خوب ادا کرتی ہے

تمہاری چشم فتاں سب کے دل سے ساز کرتی ہے
ہماری آرزو کو کیوں نظرانداز کرتی ہے

بہار آئی ہے گویا اب سجائیگی گلستاں سے
کھلی پڑتی ہیں کلیاں بھی ہوا بھی ناز کرتی ہے

اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا
اگر سمجھو تو ہر پتی بیان راز کرتی ہے

شیخ نے ناقوس کے سر میں جو خود ہی تان لی
پھر تو یاروں نے بھجن گانیکی ھلکر ٹھان لی

مدتوں قائم رہیگی اب دلوں میں گرمیاں
میں نے فوٹو لے لیا اسنے نظر پہچان لی

ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا ہیں تمھاری ہی زلفِ سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے۔ کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی

کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب۔ مجھے کوئی اُمید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل۔ وہ نظر ہی نہ تھی وہ ادا ہی نہ تھی

نہ بھی تو پھر اسمیں تھی کسکی خطا۔ یہ گلا ہے مری ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا۔ مگر آپ میں بوے وفا ہی نہ تھی

میں وطن سے حزین و ملول پھرا۔ نہ وہ بزم ملی نہ وہ یار ملے
گل و لالۂ و سرو کا ذکر کیا۔ وہ چمن ہی نہ تھا وہ ہوا ہی نہ تھی

غمِ ہجر میں جی سے گیا جو گذر۔ تو یہ اکبرِ زار نے خوب کیا
کہ علاجِ فراق تو تھا ہی یہی۔ بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

اللہ رے کامیابی اُس چشمِ پرفسوں کی	عقلیں ہزار اُبھریں تابع رہیں جنوں کی
تنویر چاہتا ہے گرائشِ دروں کی	ہو اُسکا محو جسنے مٹی ہیں روح ہو نکی
نشتر لگا سے جاتا اے رنجِ نا امیدی	دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوشِ خونکی
اُسوقت کوئی دیکھے تاثیر سازِ مغرب	جب ناچ ہو مسو نکا اور گت ہو ارغنونکی
آفاق پر ہیں طاری آثار شامِ غم کے	اللہ دل کو قوت دی صبر کی سکونکی

فطرت نے باغِ ہستی پیشِ نظر کیا ہے
دیکھو بہار اکبرؔ اُس روے لالہ گوں کی

کیا پائے گئے جو حرص کے کوچے میں سگ رہے	وہ کیا برے رہے کہ حواس سے الگ رہے
اپنی جگہ سے تم نہ ہٹو گو ہلوں گردشیں	ایسے رہو کہ جیسے انگوٹھی میں نگ رہے

اکبر انھیں کو لذتِ یادِ خدا ملی
سمجھے جو کافری کو اور اُس سے الگ رہے

امیدیں ہوتی تھیں پیدا تری لگاوٹ سے
نہ اب وہ لہر رہی اور نہ وہ حباب رہے

کہاں کا نام مجھے ہے نشان سے بھی گریز
مبارک آپ ہی کو خواہش خطاب رہے

اس اک گناہ کو منظور کیجئے تو مجھے
تمام اور گناہوں سے اجتناب رہے

مرے عشق کے سوز میں ہو نہ کمی۔ اجل آئے تو ایسی جفا نکرے
مری جان کو جسم سے کر دے الگ۔ مرے درد کو دل سے جدا نکرے
بت شوخ کی دیکھ رہا ہوں نظر۔ مرے عشق کا کچھ بھی نہیں ہے اثر
جو میں کہتا ہوں کاش ہو تجھ میں وفا۔ تو وہ کہتا ہے ہنس کے خدا نکرے
مجھے عشق و وفا کی سند نہ ملے جو میں ضبط سے صبر کا کام نہ لوں
وہاں حسن کے ناز میں آئے کمی۔ جو وہ حق ستم کو ادا نہ کرے

عدو فلک بھی رہا گردش زمیں بھی رہی
مگر وہ فر بھی رہا اور مری جبیں بھی رہی

نظر میں آیۂ ایاک نستعین بھی رہی
صنم کے پاؤں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی

تری اداؤں سے پوچھنے نہ پائی جرأت دل
ہنسی جو لب پہ رہی تو جبیں پہ چیں بھی رہی

ہزاروں ظلم ہوئے بیکسوں پہ یاں لیکن
وہی فلک بھی رہا اور وہی زمیں بھی رہی

خلوص انمیں نہ تھا اس سبب سے دل نہ ملا
گپیں تو خوب اڑیں اور چنیں بچیں بھی رہی

کچھ انتظار میں موقع کے طول ہجر ہوا
کچھ ابتدائے محبت میں ہاں نہیں بھی رہی

میں کیا ہوں خوش اگر انکو رہی نہ الفت غیر
ملیں گے اس سے محبت اگر نہیں بھی رہی

اسی کو ہم تو سمجھتے ہیں مستند اکبر
رہے مشاغل دنیا میں فکر دیں بھی رہی

ہمیں ملال اسکا کہ جو بے مہر و کافر کیش ہے
دل ہمارا اسقدر نا عاقبت اندیش ہے

ترے سحر نظر سے ہوا یہ جنوں مرے دل کی تو اسمیں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آ کے میں بیٹھ رہا بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

مجھکو تو حبِ جاہ ہی ہے وجہ انتشار
دل میں تمہارے شوق جو شاہی کا ہو رہے

اکبر مریض ہے تو دعا بھی اسے سکھاؤ
ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

گردن رفتار کی ہر اک سمت تن گئی
اکثر کے نئے طریق کی جانب جو کھنچ گئے
ہم گھر میں جسم و روح کا قصہ تمام تھا
بگڑی ہو قوم و ملک کی انکی تو بن گئی
بوڑھوں کی آہ جانب چرخِ کہن گئی
مٹی میں مل گیا وہ یہ اپنے وطن گئی

دنیا میں بھی مستِ اثرِ نغمۂ کن ہے
پردیس میں ہے روح مگر دیس کی دھن ہے
کل میں نے لگاوٹ تو بتِ شوخ یہ بولا
کیوں کفر ہے بدنام جب ایمن بھی یہ گن ہے

ہنس دیتے ہیں بت سنکے یہ اکبر کا لطیفہ
جب آپ کے درشن ہوں تو پھر پاپ بھی پن ہے

جانتی تھیں کہ ہنر شرط ہے قاتل کے لئے
دل لئے آپکی آنکھوں نے مگر مل کے لئے
دل مرا انکے لئے ہے وہ مرے دل کے لئے
ماسوا اسکے سب اندیشۂ باطل کے لئے
ہر قدم پر ہے فزوں لذتِ سرگرمیِ سعی
شوق نے خوب فرے دوری منزل کے لئے
ہے یہ وہ عہد کہ کی بزم کی تزئین لیکن
آدمی مل نہ سکے رونقِ محفل کے لئے
دیدِ دنیا ہے رہِ عشق میں سالک کو مفر
خوب ہے قطعِ نظر قطعِ منازل کے لئے
مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت
اب تو پیری ہی ہے رندانہ شغل کے لئے

کیا ضرورت رہِ الفت میں سخن سازی کی
صدق کافی ہے بس اکبر اثرِ دل کے لئے

نہ پائیں وہ ری اور نہ آبِ چناب رہے
نئے طریق فقط جان پر عذاب رہے
بس اگر مری [illegible] اشارا ہے چشمِ ساقی کا
وہی مزے میں رہے جو یہاں خراب رہے
[illegible] ہوگا جب آئیگا خبر دینگے
بہار تک تو ہمیں نشۂ شراب رہے

سن رہا ہوں شوق سے دنیا کے قصوں کو مگر
نالۂ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر

دیکھئے رہنا جو ختم داستاں تک ہو سکے
صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے
اس قوم سے وہ عادتِ دیرینۂ طاعت
وہ راہ شریعت کی جہاں بجھتی تھیں آنکھیں

شاخِ گلِ تر سوکھ کے اب ٹوٹ رہی ہے
بالکل نہیں چھوٹی ہے مگر چھوٹ رہی ہے
یہ کفر کے کنگرے سے اسے کوٹ رہی ہے

فکر فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے
غافلوں کو جلوۂ ہستی بہار عید ہے
قد موزوں دیکھئے جوڑے کی بندش دیکھئے
مجھکو اور انکے مضامین کمر پر دسترس

آج تک ہم کیا ہوئے آئندہ کیا امید ہے
چشم بینا میں مگر یہ حشر کی تمہید ہے
کس قیامت کا ہے مصرع اور کیا تعقید ہے
ذہن کیسا بس یہ کہئے غیب کی تائید ہے

خوشی ہے سبکو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
فنا اسی رنگ سے ہے قائم فلک ہمیشہ ہی چال چل رہا ہے
یہ دیکھتے ہو جو کاسۂ سر غرور غفلت سے کل تھا مملو
سمجھ ہو جسکی بلیغ سمجھے نظر ہو جسکی وسیع دیکھے
کہاں کا مشرقی کہاں کا مغربی تمام دکھ سکھ ہے یہ مساوی

کسیکو اسکی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ کل جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے
یہی بدن ناز سے پلا تھا جو آج مٹی میں گل رہا ہے
ابھی یہاں خاک بھی اڑیگی جہاں یہ قلزم ابل رہا ہے
یہاں بھی اک باعزا و خوش ہے وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے

ہوس پرستوں کو کیوں یہ کہہ دوں ان انقلابوں کی کیا سند ہے
عروج قومی زوال قومی خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے انھیں کے حصہ میں زندگی ہے
خدا سے تم دل ملاؤ اپنا زمانہ کو پھر ملاؤ دل سے
جھکائیں اکبر سر ارادت ہمیں تو امید کچھ نہیں ہے
فرنگے آج پنچ میں ٹرین میں خبر بھی چھپتی ہے پانیر میں

اگر زمانہ بدل رہا ہے بدلنے ہی کو بدل رہا ہے
ہمیشہ رد و بدل کے اندر یہ امر پولیٹیکل رہا ہے
مقدموں کی ہو لاکھ شکلیں یہی نتیجہ نکل رہا ہے
تو دیکھ لینا کہ پر اثر ہے زباں سے جو نکل رہا ہے
ادھر وہ شمشیر کھینچ رہی ہے ادھر یہ خنجر سنبھل رہا ہے
فلک کی گردش کیساتھ ہی ساتھ کام یاروں کا چل رہا ہے

جب امتحان اہل دغا ہی کا ہو رہا ہے

مومن کو چاہیئے کہ خدا ہی کا ہو رہے

کہانتک رشک اکبر ساقی بزم حریفاں ہے
سنبھالو دل کو تم اپنے تمہارا جام جم ہے ہے

جاری طریق فضل و عطا سب کیساتھ ہے
بیدر سا ہیں گیسوی دنیا سے دل کے پیچ
کمبخت دل کو کیوں ہے لگاوٹ انھیں کیساتھ

دیکھو جو غور سے تو خدا سب کیساتھ ہے
سب اسمیں ہیں پھنسے یہ بلا سب کیساتھ ہے
انکو تو شوق ناز و ادا سب کیساتھ ہے

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات انکی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی
سُنے جو اسکو اُسے تحیر جو اسکو بہتے اُسے تردد
ہماری نیکی اور انکو برکت عمل ہمارا نجات انکی

بھلا او میرے منھ سے بات اگر کوئی بری نکلی
عدو جمعیت ملت کا جو ہو طعن تھی اسپر
عرب کہتے تھے تم جسکو وہ کمسرٹ کا نجر تھا
مجھے اس درس سے خواہش تھی روحانی ترقی کی

یہ بیدردی ہے کہنا آہ اسمیں بے سری نکلی
یہ کیا سمجھا عزیزوں نے مجھی پر کیوں چھری نکلی
جسے شایستگی سمجھے تھے آخر گرگری نکلی
یہاں ہر چیز لیکن مادی و عنصری نکلی

بتوں سے میل خدا پر نظر یہ خوب کہی
نفس نفیس سٹرک خوشنما ڈنر ہر شب
تمہاری خاطر نازک کا ہے خیال فقط
خطاب شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول
شباب و بادۂ و فکر مآل کار چہ خوش
سوال وصل کروں یا طلب ہو بوسے کی

شب گناہ و نماز سحر یہ خوب کہی
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی
وگرنہ مجھکو رقیبوں کا ڈر یہ خوب کہی
نگاہ یار رہے بے اثر یہ خوب کہی
جنون عشق و خیال خطر یہ خوب کہی
وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر یہ خوب کہی

حرف مطلب کی رسائی کیوں نہ یانتک ہو سکے
وعدہ اقرار مفصل کا تو کرتے ہو مگر

دل کو خود داری سکھا اکبر جہانتک ہو سکے
دیکھ لینا وقت پر تم سے جو یانتک ہو سکے

کچھ بھی ہمدردی جوانوں سے نہیں
شیخ صاحب اب بہت بوڑھے ہوگئے

ناچ ہے مغرب کا بزم دہر میں
جھومتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے
نام یوسف سے ہوا یعقوب کا
یوں تو حضرت کے بہت بیٹے ہوئے

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے
واللہ ستم ہے بے تکلف
کھایا کیا تم نے چکھ لیا ہے
سکہ ہے کھرا مرے سخن کا
سب نے اسکو پرکھ لیا ہے

لن ترانی سے عیاں انوار پنہاں ہوگئے
ایک فقرے میں ہزاروں طور پنہاں ہوگئے
اے صبا اس باغ میں تیرا عمل ہے منتخب
ہنس دئے گل ہو کے غنچے پا پریشاں ہوگئے
اس نے آنکھوں کے اشارے سے پڑھایا دل مرا
خواب میں دیکھا تھا وہ کافر مسلماں ہوگئے
ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم
ضعف کے اسباب عزت کے نگہباں ہوگئے
صبر خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہوگئے
ہوگیا آخر شکست دل سے کار دیں درست
داغ سینے کے چراغ راہ عرفاں ہوگئے
جلوہ ہائے منظر ہستی ہیں راحت میں مخل
وہم جب یکجا ہوئے خواب پریشاں ہوگئے
جو کہا اس نے کیا منظور کیا حرف نفی
ہم سراپا اب تو اس محفل میں جی ہاں ہوگئے
ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر دیکھو تو
آپ خوش قسمت تھے بندر سے جو انساں ہوگئے
ناز تھا انکو بہت اپنے بدن کی ساخت پر
اگر جنٹلمین مرے اک دوست عریاں ہوگئے
صورت لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوان قیس
شاعری آئی نہیں لیکن زباں داں ہوگئے

گرے جاتے ہیں ہم خود اپنی نظروں سے ستم یہ ہے
بدل جاتے تو کچھ رہتے مٹے جاتے ہیں غم یہ ہے
طریق نو کو کیا سمجھا ہے تو منزل ترقی کی
نگاہ دوربیں میں جادۂ راہ عدم یہ ہے
تحمل نالہ و فریاد کا اس سے کہاں ممکن
نہ ہوں پر ہم مریں افسردگی پر مستقیم یہ ہے
نہ بے مہری کا شکوہ ہے نہ ہے سوز غم فرقت
تذکرہ آپ کے کیوں ہوگیا رنج و الم یہ ہے

دشمن بھی ہیں۔ افسوس ہیں۔ یارب یہ ہے۔ حالت مری
جینا اب تو دشوار ہے۔ کب آئے گی ساعت مری

طاقت ہو نہ جب ضبط کی۔ تو اظہار غم کیوں نہ ہو
ہر دم اب تو۔ آتش نگن۔ سینے میں ہے۔ حسرت مری

شوخی اُسکی۔ دیکھو ذرا۔ مجھ پہ ظلم۔ بے حد کیا
پوچھا میں نے کیوں ہے ستم۔ بولا یہ ہے۔ عادت مری

پہلو میں وہ۔ ہوسنگے کبھی۔ خوشیوں کی۔ گھڑی آئے گی
جاگے ہی گی۔ اک وقت میں۔ سوتی گو ہے قسمت مری

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہئے
اس دور غم میں اُس سے جینا نہ چاہئے

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہئے

میں بت کا ہو رہا تو عبث شیخ کو ہے رنج
ایسے معاملات میں کینا نہ چاہئے

دنیا میں امر حق کو کس طرح صاف کہئے
کرتا ہے دشمنی وہ جسکے خلاف کہئے

یہ سرسری اشارا کافی نہیں ہے حضرت
اپنی زبان سے بھی لفظ معاف کہئے

بے دشمن دیں راحت دنیا ہی تو کیا ہے
قاتل ہو کوئی آنکھ تو جینے کا مزا ہے

ساتھ یاروں کے ہماری راحت دل اُٹھ گئی
ایک وہ کافر کیا محفل کی محفل اُٹھ گئی

قتل ہونے کی کسے اُمید تھی قسمت کی بات
اتفاقاً میری جانب چشم قاتل اُٹھ گئی

زلف میں دل کی گرفتاری بُری
سب مرض اچھے یہ بیماری بُری

ہوش سے عاشق کو بچنا چاہئے
راہ دل میں یہ گرانباری بُری

آج سنئے آکے اکبر سے کبیر
شیخ جی ہے دل میں خودداری بُری

رُک گئے ہیں دست دعا اُٹھتے ہوئے
ہے جو ہونا کیوں رہیگا بے ہوئے

جامہ زیبوں کی نظر بھی دلقِ اکبرؔ پر پڑی
شان ہی کچھ اور تھی اِس خرقۂ پارینہ کی

ایک صورتِ سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

مستیٔ نشو و نما ہے فصلِ گل کا جوش ہے
ہے ہوا میں فیضِ ساقی ہر کلی مے نوش ہے

بزم میں ایمائے چشمِ ساقیٔ مے نوش ہے
وہ بہک جانیکے خطرے میں ہے جسکو ہوش ہے

شوقِ وصلِ شعلہ خویاں کیوں نہو برسات میں
ابر کو بھی دیکھتا ہوں برق در آغوش ہے

حال میری بیقراری کا بھی کچھ سُن لیجئے
یہ بھی اک آویزہ ہو بجلی جو زیبِ گوش ہے

تاکئے دیدِ حسیناں ہے تاکئے وارفتگی
آنکھ میں جبتک نظر ہے سر میں جبتک ہوش ہے

آئینے سے بھی وہ بچتے ہیں کہ پڑ جائے نہ عکس
شرم کہتی ہے کہ یہ بھی صاحبِ آغوش ہے

کیوں نہ اپنے بل پہ نازاں ہو وہ زلفِ پرشکن
اُسکی خود بینی کو آئینہ صفائے دوش ہے

ہے اگر امیدِ فردا ہی پہ صرف اُسکی بنا
کل نہوگا آج اکبرؔ کے جو دل میں جوش ہے

نورِ باطن کی تجلی حرصِ دنیا میں کہاں
دامنِ طولِ امل اس راہ میں حق پوش ہے

جسکے آنکھیں ہیں وہ ہی دیوانۂ چشم آفریں
عالمِ عرفاں میں جو ذی ہوش ہے بیہوش ہے

جب ضرورت ہوگی تقوی کی تو دیکھا جائیگا
اب تو بزمِ مغربی ہے اور نوشا نوش ہے

اُنکا تیرِ پالیسی اور شیخ و بابو کا گریز
خوب ہی لطفِ شکارِ روبہ و خرگوش ہے

اتحادِ باہمی اس ملک میں آساں نہیں
کوئی سر سید ہے کوئی بابو آشتوتوش ہے

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

حضرتِ منصور انا بھی کہہ کے رہ کر بیا حق کہا تھا
دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

مفلسی میں بھی تکلف دوست ہے طبعِ لطیف
سرو بستاں بے بضاعت ہے مگر خلعت پوش ہے

ہوئے روشن یہ معنی چاند کیوں شاعر کو پیارا ہے
کمال اسمیں یہ ہے عارض بھی ہے ابرو بھی ناخن بھی

جوش میں لائے صبا جسکو وہ خون اچھا ہے
بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنوں اچھا ہے
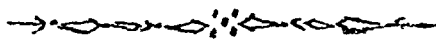
جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے
کفر پر غصہ دلائے وہ جنوں اچھا ہے

دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اس کی جھلک
پھر تاثیر محبت یہ شگون اچھا ہے

ہاتھ اٹھا بیٹھینگے ہم یہ دامن منصوری سے
اہل تہذیب کو دنیا میں یہ ڈوں اچھا ہے

دوپہر کو مرے گھر آئی مس رشک قمر
کہدیا میں نے کہ یہ نون کا موں اچھا ہے

مرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ ٹوٹا ہے
خدا ہی انسے سمجھیگا خدا کے گھر کو لوٹا ہے

خوشی کا رنگ ہے دل میں نہ سرسبزی امیدوں کی
ہمارا باغ ویراں ہو گیا گل ہے نہ بوٹا ہے

ترے کوچے میں دل نالاں اگر ہے دین سے چھٹکر
تعجب کیا ہے اسمیں مدتوں کا ساتھ چھوٹا ہے

تو نے کب دل کی مری ای بت عیار سنی
جو سنی بات بلا کر سر دربار سنی

چھوڑ اس بحث کو کچھ اور بیاں کر اکبر
یہ کہانی تری یاروں نے تو سو بار سنی

ابھرا ہے رنگ سودا دیوانگی ہری ہے
ہے جوش موسم گل جو پھول ہے پری ہے

شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

دور گردوں میں کسی نے میری غمخواری نہ کی
دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی

حشر کا سودا ہوا ذوق جمال دوست میں
ہمنے بازار جہاں میں کچھ خریداری نہ کی

غم دیا اپنا مگر پروا سے غمخواری نہ کی
دلستانی آپ نے فرمائی دلداری نہ کی

قہقہوں کی مشق سے میں نے نکالا اپنا کام
جب کسی نے قدر آہ و نالہ و زاری نہ کی

شوق کی مستی میں میں دیوانہ ہو کر رہ گیا
حسن کے نشہ نے اسپر بیہوشی طاری نہ کی

کوئے جاناں کا پتہ دیکر میں پہونچا خلد میں
مجھ سے کچھ رضواں نے بحث ناجی و ناری کی

شیخ بھی کھٹکے مریدوں کو جو دیکھا منتشر
جب محیط آوارہ تھا مرکز نے خودداری نہ کی

وقت سلنے کا ابھی آیا نہیں مغرب ہے دور
کیوں پسند اس برق وش نے مشرقی ساری نہ کی

جو حسن بت کی جگہ حکم مس ہوا قائم
زوال قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب

تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کر لی
تجارت آپ نے کی ترک نوکری کر لی

شکوۂ بیداد سے مجھکو توڑنا چاہیئے
ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب
جمع ساماں خود آرائی ہے لیکن ای عزیز
کیوں نہ لوں نام خدا اس بت کی صورت دیکھ کر
بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد
عاشقی میں خندہ روئی سالکوں کو ہے کمال

دل میں لیکن یہ آپ کو انصاف کرنا چاہیئے
اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیئے
جسکی صورت خوب ہو اسکو سنورنا چاہیئے
لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کے مرنا چاہیئے
ہجر کی شب کو بھی اے گردوں گذرنا چاہیئے
ہے یہی منزل کہ چہرہ کو اترنا چاہیئے

ہر عمل تیرا ہے اکبر باج عزم حریف
جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نہ کرنا چاہیئے

رہی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی
فلک نے ہمکو کیا منتخب مٹانے کو
مجرب ایسا ملا نسخہ قوم بازی کا
بہت خلوص سے حاضر رہا ہوں خدمت میں
خیال کیا ہو کسی کو بنانے مسجد کا
ہمیشہ پیش نظر ہیں وضو شکن منظر

دعا کرو نہ مری عمر درازی کی
ہمیں سے داد بھی چاہیں خوش امتیازی کی
کہ قدر اٹھ گئی دنیا سے عشق بازی کی
مگر حضور نے مجھ سے زمانہ سازی کی
کہ مسجدوں کو ضرورت ہے اب نمازی کی
اس انجمن میں نبھے کس طرح نمازی کی

ہم اپنے حال پر افسوس کیا کریں اکبر
خدا نے شان دکھائی ہے بے نیازی کی

چھڑا ہے راگ بھونرے کا ہو رہی ہے نئی چمن میں
یہ رنگ حسن گل یہ نغمہ مستانہ بلبل
پڑے ہیں زرش تمہارے ہو گئے راجا کے بیلے سے

غضب ہے سال کے بارہ مہینوں میں بھاگن بھی
اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ دیکھیے بن بھی
مگر من کا پسینا چاہتے ہو تو کرو پن بھی

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا
برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے

سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعتِ حق لازم
ہاں ترکِ مئے و شاہد یہ اُنکی بزرگی ہے

دیکھیں پروانے کو دعوےٰ یہ اُبھرنے والے
عشق اسے کہتے ہیں یوں مرتے ہیں مرنیوالے

نہ رہا یاد انھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں
کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنیوالے

تیز رفتار نہوا اسقدر اے موجِ فنا
تجھ میں کچھ قطرے ہوا سے ہیں اُبھرنیوالے

حیرت انگیز ہے یہ رعبِ بتاں اے اکبر
ان سے اب ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنیوالے

جلوۂ گل نے چمن میں مجھے بے چین کیا
دل ہی جاتے ہیں تری یاد دلانے والے

دیدنی آج ہے اُس بزم میں دنیا کا جمال
دم بخود بیٹھے ہیں عقبیٰ سے ڈرانے والے

چشمِ بد دور حسینوں کی ہے ترقی مجھ [illegible]
کیوں نہو مست ہیں خود ہوش میں لانے والے

آج جنگلے ہیں مرے آئی تھی آواز اذاں
جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے

بنوا نہیں ساز کی حاجت ہے نہ سامع کی تلاش
خوب ہیں فصلِ بہاری کے یہ گانے والے

تیغِ قاتل نے یہ کیا اپنے دکھائے جوہر
سرکٹے پھرتے ہیں اب جان چرانے والے

ذوقِ عرفاں جو نہ ہو بادہ پرستی اچھی
ہوش اگر دین سے غافل ہو تو مستی اچھی

بت جو ہنگے [illegible] خدا کیوں نکریں
ہم غریبوں کو وہی شے جو ہے سستی اچھی

بحث اس وقت [illegible] مسجد کی
مگر الحاد سے ارواح پرستی اچھی

شیخ [illegible] شہر میں اور کمپ میں سیلاب ہوا کیا
[illegible] کے ہیں سب وہی بستی اچھی

[illegible]
نئے جنم کی تمنا میں خودکشی کرلی

[illegible]
زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کرلی

دشمنِ راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی
باغ ہستی میں مری ناکامیوں کا رنگ دیکھ
کھو دیا تمکین دیں کو تو نے اے شوقِ نمود
شیخ دمسانہ پیالو ہو کے بھولے اپنی لے

جس حسیں سے مل گئیں آنکھیں محبت ہو گئی
جو تمنا دل میں آئی داغ حسرت ہو گئی
عزت اصلی نثار نام عشرت ہو گئی
گو سریلے ہو گئے لیکن بری گت ہو گئی

ہر جنبشِ نگاہِ خرد اک حجاب ہے
آرام کی تلاش نے رکھا ہے بیقرار

عارض پر انکے جلوۂ ہستی نقاب ہے
ہر خواہشِ سکون سبب اضطراب ہے

نہ روح مذہب نہ قلب عارف نہ شاعرانہ زبان باقی
شب گذشتہ کے ساز و ساماں کے اب کہاں ہیں نشان باقی
جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
فضول ہی انکی بد دماغی کہاں ہی فریاد اب لبوں پر
میں اپنے مٹنے کے غم میں نالاں اُدھر زمانہ ہے شاد و خنداں
اسیلئے رہ گئی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں

زمیں ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی
زبانِ شمع سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رخصت گمان باقی
یہ وار پر وار اب عبث ہیں کہاں بدن میں ہے جان باقی
اشارہ کرتی ہے چشم دل اب جوان باقی جہان باقی
سنیں وہ باتیں جو ہوش اڑائیں اسی لئے ہیں یہ کان باقی

تعجب آتا ہے طفلِ دل پر کہ ہو گیا مستِ نظم اکبر
ابھی تو دل پاس تک نہیں ہے بہت سے ہیں امتحان باقی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
نا تجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں
اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا
واں دل میں کہ صدمے دو یاں جی میں کہ سب سہہ لو
ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
سورج میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں

ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے
مقصود ہے اُس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے
مہمانِ نظر اس دم اک برق تجلی ہے
اُنکا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے
بت ہمکو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

پیچیدہ زندگی کے کرو تم مقدمے
دکھلا ہی دے گی موت نتیجہ نکال کے

دلکش صدائے صور تو ایسی نہ تھی مگر
تہذیب مغربی کی بھی ہے وارنٹ غضب

تعظیم حشر کے لئے سب اٹھ کھڑے ہوئے
ہم کیا جناب شیخ بھی چلنے کھڑے ہوئے

نکل جائے دم غم سے جب آہ نکلے
میں سمجھا تھا کنج قناعت کا ساتھی
مزاج شریف انکے باقی نہیں ہے

مصیبت میں ہوں کوئی تو راہ نکلے
مگر آپ تو شائق جاہ نکلے
تو کیا منہ سے الحمد للہ نکلے

ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں
وہ دل ہی نہ ہونگے کہ یہ آہ نکلے

دل زلف کے کوچے میں شادانی نہ رہا پھر کے
ایمان کے دشمن ہیں جلوے بت کافر کے
اے شوق ہوس کب تک یہ شمع قریب آخر
بجھ جائے جو نہ ہم تجھکو کرنا تھا نہ اے دنیا
باطن نہ کرے تیرہ مقبول ہے وہ ظاہر
گذرے جب ادھر سے وہ سرگرم فغاں تھا میں
اسٹیج پہ دنیا کے کیا سین دکھاؤ گے
دنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید

صد شکر کہ نکلا احسان سے کافر کے
فتنے تو ذرا دیکھو ترکیب عناصر کے
رہبر تو ترے سب ہیں ظلمت ہی میں پھر کے
ہم عرش پہ پہونچے ہیں نظروں سے تری گر کے
رکھتے ہیں نظر ہم بھی منکر نہیں ظاہر کے
تسکین ہمیں کیا دیتے دیکھا بھی نہیں پھر کے
کیا لطف اٹھا پردہ دریچے سے اگر سرکے
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے

کعبے میں بتوں ہی کے آئی تری عمر اکبر
اللہ کو اب یاد کرے دو دن تو یہ آخر کے

یہ شیشہ ہو اب سے عشق حسین کا
[illegible]
[illegible]

حیراں ہوں مرے کام سنور کیوں نہیں جاتے
فرماتے ہیں مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے
پوچھے کوئی اکبر سے یہ گھر کیوں نہیں جاتے

وہی انساں وہی آنکھیں وہی جینا وہی مرنا
کہیں اللہ اکبر ہے کہیں الحاد کا غل ہے

گلستانِ سخن ہے بزم ساقی فیضِ معنی سے
زبانِ خامہ اکبر ہے یا منقارِ بلبل ہے

منظور مجھے شکوۂ بیداد بتاں ہے
للہ بتا دے کوئی اللہ کہاں ہے

ہوا ہوں شاہ جنوں کی خوش انتظامی سے
خدا بچائے مجھے ہوش کی غلامی سے
نشان کھو کے بگولے کیطرح اٹھتے ہیں
تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے
اٹھے گا فتنۂ محشر تو ان کا کیا نقصان
وہ باز آئینگے کیوں مشق خوشخرامی سے

رنگ دیکھے جہان فانی کے
کھیل ہیں دور آسمانی کے
شیخ سے مجھسے اب ہنسی ہے بگاڑ
ہو چکے ولولے جوانی کے

منزلوں دور انکی دانش سے خدا کی ذات ہے
خردبیں اور دوربیں تک انکی بس اوقات ہے

تکلف اٹھیں کے لئے کیجئے
فقیروں کی کیا ہے جہاں پڑ رہے
بتوں سے بھی لڑتی نہیں یاں تو آنکھ
برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

حلقے نہیں ہیں زلف کے حلقے ہیں جال کے
ہاں اے نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کے
پہونچے ہیں تا کمر جو ترے گیسوئے رسا
معنے یہ ہیں کمر بھی برابر ہے بال کے
بوس و کنار و وصل حسیناں ہے خوب شغل
کمتر بزرگ ہونگے خلاف اس خیال کے
قامت سے تیرے صانعِ قدرت نے اے حسیں
دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے
شانِ دماغِ عشق کے جلوے سے یہ بڑھی
رکھتا ہے ہوش بھی قدم اپنے سنبھال کے
زینت مقرر ہے مصیبت کا وھر میں
سب شمع کو جلاتے ہیں سانچے میں ڈھال کے
ہستی حق کے سامنے کیا اصل این و آں
پتلے یہ سب ہیں اپنے وہم و خیال کے
[illegible]وار لیکے اٹھتا ہے ہر طالب فروغ
دورِ فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے

اسلام میں اکبر کو یہ غلو یہ تنگی یہ بدی تھی
اور اُس بت کافر کا انکو یہ عشق یہ پیار اللہ اللہ

کیا رہے دور فلک میں کوئی تمکین کیساتھ — جب زمانہ نہ چلے ایک ہی آئین کے ساتھ
غرب کی مدح بھی ہے شرق کی تحسین کیساتھ — ہم پیانو بھی بجانے لگے اب بین کے ساتھ
اِس تماشہ گہ ہستی میں مجھے حیرت ہے — اک نیا فلسفہ ہو جاتا ہے ہر سن کے ساتھ
شیخ ڈرتے ہیں کہیں دم نہ نکل جائے مرا — اُنس اسوجہ سے کم رکھتے ہیں یٰسین کے ساتھ
مخلصانہ جو نہ ہو مدح تو کیا لطف آئے — چشم غماز کی گردش بھی ہے تحسین کے ساتھ
دل دیا۔ مال دیا۔ پیار کیا ان کو مگر — اِن بتوں کو وہی کاوش ہے مرے دین کے ساتھ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ — حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ
سوچ تجھکو ہے اگر آیندہ پالٹیکس کی — لے نتائج سے مدد اور ہسٹری میں فال دیکھ
شوقِ طول و پیچ اس ظلمتکدہ میں ہے اگر — بات بنگالی کی سن بنگالنوں کے بال دیکھ
دل یہ کہتا ہے کہ ہجرت ہند سے لازم ہے اب — عقل کہتی ہے کہ اکبر اور دو اک سال دیکھ
حسن میں پر کر نظر مذہب اگر جاتا ہے جائے — قدر داں کو نرخ کی کیا بحث اکبر مال دیکھ

ہنر سے بھی فوائد ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے — سبب یہ ہے کہ ہم اسپیچ میں بلبل ہو نہیں سکتے
حکومت ایشیا پر قسمت مغرب میں ہے جبتک — کمالات اُسکے جو ہیں ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے
اثر ہے طاعت و حسنِ عمل کا گو کہ قسمت پر — مگر اُس انجمن میں لوگ داخل ہو نہیں سکتے

معین ہی نہیں ہیں جنکے اصول و ماخذ اے اکبر
قیامت تک وہ سرداری کے قابل ہو نہیں سکتے

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے — رنج پیدا ابھی کچھ ہو دل میں تو اتنا نہ بڑھے
حرص گھٹ جائے وہی نعمتِ عظمیٰ ہوگی — میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے

اسی ہستی کو دیکھ اکبر اگر ذوقِ تعقل ہے — کہیں کھٹی کہیں پتی کہیں غنچہ کہیں گل ہے

میں ہوں کیا چیز جو اُس طرز پہ جاؤں اکبر
ناسخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کے ساتھ

رات پروانہ یہ کہتا تھا عجب ناز کے ساتھ
خضر کا کام نہیں سالک جانباز کے ساتھ

شانِ مذہب پہ رہا فلسفہ حیران مدام
اسقدر جوشِ جنوں اور اس اعزاز کے ساتھ

کیا ہوا کوئی جو اکبر کا ہم آہنگ نہیں
باغ میں نغمۂ بلبل بھی نہیں ساز کے ساتھ

مجھکو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ
کیا زندگی گذر نہ سکے جب خوشی کیساتھ

خلقِ نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا
کیا کیا مصیبتیں ہیں غریب آدمی کے ساتھ

یہ ابرِ زلف یہ برقِ نظر معاذ اللہ
اگرچہ سین ہے دلکش مگر معاذ اللہ

میں کیا کہوں شبِ فرقت میں مجھپہ کیا گذری
عجیب حال رہا رات بھر معاذ اللہ

بتوں کے عشق میں کیا کچھ نہیں کیا میں نے
بہت رہی ہے لبِ شیخ پر معاذ اللہ

طلسمِ حسنِ بتاں کے نہ پوچھیے احوال
دہن کا ذکر ہی کیا ہے کمر معاذ اللہ

جنابِ شیخ پھر آخر بسر کروں کیونکر
جدھر اُٹھاتا ہوں آنکھیں اُدھر معاذ اللہ

جو منہ لگائے وہ بت شیخ بھی پڑھیں الحمد
یہ دور ہی سے ہے بس اسقدر معاذ اللہ

فریبِ چشم ہے خوانِ جہاں کا رنگ اکبر
رمزا - زباں کا فتنہ، اثر معاذ اللہ

یہ عمر یہ حسن اور ناز و ادا۔ اس پر یہ سنگار اللہ اللہ
مستی نگہ اُف اُف کی جگہ۔ سینے کا اُبھار اللہ اللہ

یہ گیسوئے پیچاں دامِ خرد یہ نرگسِ فتاں دشمنِ دیں
یہ عارضِ رنگیں غیرتِ گل یا مستی کی بہار اللہ اللہ

کانوں میں ترے کندن کی دمک بازو میں ترے عنبر کی مہک
سینے پہ جواہر کی یہ چمک اور سینے پہ یہ ہار اللہ اللہ

بکھری ہوئی زلفیں دامِ بلا یہ چتونیں مژگاں تیرِ قضا
تقویٰ کی عدو یہ لغزشِ پا یہ رنگ خمار اللہ اللہ

خود خامۂ قدرت نازاں ہے ہر چشم تماشا حیراں ہے
اس صفحۂ عنبر خا کی پر یہ نقش و نگار اللہ اللہ

اس ترقی کو ترقی میں کہوں گا اکبر
خود بھی بڑھتے رہیں احباب جو تنخواہ کیساتھ

بے بصیرت پہ ہدایت نے کیا کچھ نہ اثر
ہے یہ افسوس کہ آنکھیں نہ کھلیں راہ کیساتھ

رنگ تیرا ہمیں مطبوع نہیں اے دنیا
تجھ میں ہم جی تو رہے ہیں مگر اکراہ کیساتھ

دوست کہتے ہیں تغزل نہیں تجھ میں اکبر
دل لگانا ہی پڑا اب بت گمراہ کیساتھ

دیکھئے ربط نسیم سحر و غنچہ و گل
یوں نہیں دل کھول کے ملتے ہیں ہوا خواہ کیساتھ

شوق تحسیں تو سخن پر ہے تمہارے اکبر
زر کی جھنکار بھی سنتے ہو کہیں واہ کیساتھ

ہو گیا عشق تری زلف گرہ گیر کے ساتھ
سلسلہ دل کا ملا تھا اسی زنجیر کے ساتھ

لذتیں کر لی ہیں انسان کو دنیا میں ہلاک
زہر دیتی ہے یہ ظالم شکر و شیر کے ساتھ

پیار کے ساتھ خوشامد بھی کرو گے شب وصل
ہے یہ لازم کہ دعائیں بھی ہوں تیر کے ساتھ

جنبش ابروئے قاتل کا اشارہ ہے یہی
کام چلتا ہے جو دنیا میں تو شمشیر کے ساتھ

کچھ نہ تھا اس میں کٹی شوق رہائی رخصت
ہو گیا انس مرے پاؤں کو زنجیر کے ساتھ

یاں کے معشوقوں کو مرشد نہ کریں کیونکر یاد
زہرہ جب ناچ رہی ہے فلک پیر کے ساتھ

مست ہے نغمۂ بلبل سے چمن میں اکبر
آپ محفل میں سنیں راگ مزامیر کے ساتھ

میری تقدیر موافق نہ تھی تدبیر کے ساتھ
کھل گئی آنکھ نگہباں کی بھی زنجیر کے ساتھ

کھل گیا مصحف رخسار بتان مغرب
ہو گئے شیخ بھی حاضر نئی تفسیر کے ساتھ

ناتوانی مری دیکھی تو مصور نے کہا
ڈر ہے تم بھی کہیں کھنچ آؤ نہ تصویر کے ساتھ

ہو گیا طائر دل صید نگاہ بے قصد
سعی بازو کی یہاں شرط نہ تھی تیر کے ساتھ

لحظہ لحظہ ہے ترقی پہ ترا حسن و جمال
جس کو شک ہو تجھے دیکھے تری تصویر کے ساتھ

بعد تہذیب کے ہیں کالج کا کرو دل کیا ذکر
اب محبت نہ رہی اس بت بے پیر کے ساتھ

کچھ مزا گیہوں کا کچھ تو اسکے کہنے کا خیال
آپ ہی کہیے کہ اس موقع پر آدم کیا کریں
میری یہ سب بے چینیاں اور انکا کہنا ناز سے
ہنس کے ہمسے بولتے ہیں اور اب ہم کیا کریں

بے وقت کا راگ ہے نہ سنیے
واعظ کو مگر جھنجھوڑیے کیوں
اکبر سے نہ کہیے رائے سر جن
اُمید مریض توڑیے کیوں

ہے لگا پڑا اسقدر مرکز مگر کوئی نہیں
فخر یہ ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں
کھنچتی ہیں آہیں کہ بنینگے تیرے دلکا ہم قدم
سب مگر شہرت طلب ہیں با اثر کوئی نہیں
کیمپ میں پاتا ہوں یارو نکو جو کوئی دل نشتر
یہ اثر اصطبل کا ہے ورنہ خر کوئی نہیں

اِدھر اُترا ہے چہرہ کوہکن کا کوہ پر چشمہ ہوکر
اُدھر کب تخت پر سے حضرت پرویز اُترے ہیں
حرم والوں سے کیا نسبت بھلا ہم اہل ہوٹل کو
وہاں قرآن اُترا ہے یہاں انگریز اُترے ہیں
مرے الفاظ کا رنگ آج مستانِ سخن دیکھیں
یہ شیشے بادۂ مضموں کے کتنے تیز اُترے ہیں

دہر میں سوختۂ گرمیٔ بازار نہ ہو
دل میں ہو خون تو سودا کا خریدار نہ ہو
نقش دل ہو صفتِ معنیٔ رنگیں اے دوست
رنگ ظاہر پہ نہ جا نقش بہ دیوار نہ ہو
خوشگوئی فصحا رکھ نہیں سکتے جائز
اِنکی خواہش ہے کہ لفظوں کی بھی تکرار نہ ہو
سانس کی طرح چلے منزلِ ہستی میں بشر
مدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بیکار نہ ہو
نہیں آزاد جو اپنوں سے تعلق کرے قطع
وہ ہے آزاد جو غیروں کا گرفتار نہ ہو
سرو سے بھی رہوں آزاد تر اس گلشن میں
نخلِ ہستی پہ مرے برگ کا بھی بار نہ ہو
مقدرت شرط ہے ہر چند کہ ہو قدر شناس
بے بصیرت نہ سمجھ لو جو خریدار نہ ہو

بزم ہے شعلہ مزاجوں کی سنبھل اے اکبر
برق خرمن نہیں یہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے بتو بہر خدا در پئے آزار نہ ہو
خیر راحت نہ سہی زیست تو دشوار نہ ہو
یارب ایسا کوئی بخشا نہ عطا کر شش پیا
الہی گذرے کہ تصور بھی گنہگار نہ ہو

عیشِ باغِ اکبر کا جو تھا اب وہ اک غمخانہ ہے
ذکرِ مرگِ آرزو ہے اور گردہ پاکیاں

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہوگیا ہوں
کافی ہے سوزِ باطن انوارِ معرفت کو

اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہوگیا ہوں
اپنی ہی شمعِ دل کا فانوس ہوگیا ہوں

کتنی باتیں پیش ہم اس دورِ فنا میں ہوچکیں
سوچ تو دل میں تو اے مصروفِ حالِ صبح و شام

ابتدائیں کتنی دا آمل انتہا میں ہوچکیں
کتنی صبحیں ہوچکیں اور کتنی شامیں ہوچکیں

فکرِ دنیا انبساطِ دل سے ہے ناآشنا
آپ کی کلیاں شگفتہ اس ہوا میں ہوچکیں

ہر اک یہ کہتا ہے اب کارِ دیں تو کچھ بھی نہیں
تمام عمر یہاں خاک اوڑا کے دیکھ لیا
مری نظر میں تو بس ہے انھیں سے رونقِ بزم
حرم میں مجھ کو نظر آئے صرف زاہدِ خشک
ترے لبوں سے ہے البتہ اک حلاوتِ زیست
دماغ اب تو سوں کا ہے چرخِ چارم پر
بہ قولِ حضرتِ محشر کلامِ شاعر کا

یہ سچ بھی ہے کہ مزا بے یقیں تو کچھ بھی نہیں
اب آسمان کو دیکھوں زمیں تو کچھ بھی نہیں
وہی نہیں ہیں جو اے ہم نشیں تو کچھ بھی نہیں
مکان خوب ہے لیکن مکیں تو کچھ بھی نہیں
نبات۔ قند۔ شکر۔ انگبیں تو کچھ بھی نہیں
بڑھا دیا مری خواہش نے تھیں تو کچھ بھی نہیں
پسند آئے تو سب کچھ نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کہتے ہیں کہ تمہیں ہو جو کچھ ہو اے اکبر
ہم اپنے دل میں سمجھتے ہیں تو کچھ بھی نہیں

ہے دلیلوں سے سرِ [illegible] کیونکر کریں
[illegible] دنیا کو [illegible] سے [illegible] زندگی

سارا عالم کہہ رہا ہے ہاں نہیں کیونکر کریں
ہے مدارِ کارِ ملت ترکِ دیں کیونکر کریں

معترف [illegible] علم و ہنر تو خوب ہے اکبر مگر
[illegible] ہم آفریں کیونکر کریں

جو مست ہیں اُنکو ہوش نہیں جو ہوش میں ہیں وہ گُم صُم ہیں
ہر حال میں ہے خالق پہ نظر ہم اُنمیں نہیں ہیں اے اکبر
جب نعمت ہو تو منطق ہے جب آفت ہو تو گُم صُم ہیں

ظُلم جتنے ہیں ہمیں پردہ کئے جاتے ہیں
ہم بھی ایسے ہیں کہ اسپر بھی ہنسے جاتے ہیں

شیخ کے حق میں اُٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے
ظرف انہیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پئے جاتے ہیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں

شراب اُڑتی ہے پبلک میں رواہے خون تقویٰ کا
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

وہ شرارت سے مرے گھر سرِ شام آتے ہیں
یہ دکھاتا ہے کہ غیروں کے پیام آتے ہیں

غیر کے ذکر میں کرتے نہیں میرا وہ لحاظ
تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں

اعتبار اُنکا کر اکبر جو ہیں پابند نماز
ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں

وعظ کالج میں جو کہہ آتے ہیں اکثر اکبر
کیا یہ گرتی ہوئی دیوار کو تھام آتے ہیں

حورِ مس کو مئے گلگوں کو پری کہتے ہیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ اللہ یہ نورِ فلک و رنگ زمیں
سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں

حسن کے باب میں اکبر کی سند ٹھیک نہیں
یہ تو ہر اک بتِ کمسن کو پری کہتے ہیں

ہیں سیہ چشمی میں غزالوں کی بہت چالاکیاں
ہائے ان آنکھوں کی بھی آنکھیں کہاں بیباکیاں

روک دیں انہیں حیا نے نشہ کی بیباکیاں
رہ گئیں میری تمنا کی وہ سب چالاکیاں

ایک گردش میں کیا خون دو عالم کو مباح
چشمِ مستِ ناز کی اللہ رے سفاکیاں

بحرِ عشرت کو کردیا افسردگی نے منجمد
ہو چکیں دردآشنا دل کی وہ سب تیزیاں

دیکھ تو لے دستِ ساقی میں ہے گلگوں کا جام
شیخ کی نیت کی رہ جائیں گی ساری پاکیاں

تحقیر مولوی کی نہ کرائے گریجویٹ
واللہ اب بھی فرد ہیں یہ اپنے ڈھنگ میں

بلبل دل کشتۂ ہر داغ گلشن ہے یہاں
ہر نفس راہ جنوں میں گل بدامن ہے یہاں

ہے تجلی نور حیرت کی ہر آہ شعلہ بار
ہر طپش سینے کی برق طور ایمن ہے یہاں

شعلہ ہائے غم سے ہے نشو ونمائے باغ دل
دامن ابر کرم ہر برق خرمن ہے یہاں

راحت و آرام جاں سب ہے مقدم یادوست
راہ غفلت جو چلے وہ سانس دشمن ہے یہاں

منزل ذوق نظر ہے سالکوں کو پر خطر
عکس نقش عالم ایجاد رہزن ہے یہاں

شعلہ غم سے دل سوزاں میں اک جان آگئی
روح پروردہ اختلاط برق و خرمن ہے یہاں

کتاب دل میں میرے عاشقانہ دیکھکر مضمون
کیا اُس چشم نے ایما کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

مری بیتابی دل پر ادا سے مسکراتے ہیں
قیامت کرتے ہیں تجلی یہ وہ بجلی گراتے ہیں

فانی ہے حسن بت یہ میں کیا جانتا نہیں
مشکل یہ آ پڑی ہے کہ دل مانتا نہیں

فریاد ہی سے کاش طریقے ہوں منضبط
یک لخت ظلم کی بھی تو وہ ٹھانتا نہیں

اس انقلاب پر جو میں روؤں تو ہے بجا
مجھکو وطن میں اب کوئی پہچانتا نہیں

بکس رخ چلوں رسول تو دنیا سے اٹھ گئے
اللہ ہے سوا اُسکو میں پہچانتا نہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

اکبر ہنوز اُن سے ہے اُمیدوار لطف
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جب توقف ہے زبان تیوں ہی کی راہ آگیا
دل بھی نہ رہ سکیگا خدا کی پناہ میں

بدلے ہی گا اک دن دور فلک مایوس یہ ناحق ہم تم ہیں
گلزار میں ہے پھولوں کی چمک افلاک پہ تاباں انجم ہیں
کیا یہ اثر اس دور میں ہے ساقی کی نظر بھی غور میں ہے

عالم ہے بے خودی کا مے کی دکان پر ہیں
ساقی یہ ہیں نگاہیں ہوش آسمان پر ہیں

دل اپنی ضد پہ قایم وہ اپنی آن پر ہیں
جتنی مصیبتیں ہیں سب میری جان پر ہیں

دنیا بدل گئی ہے وہ ہیں ہمیں کہ اب تک
اپنے مقام پر ہیں اپنے مکان پر ہیں

میرا وہ دل نہیں ہے جو ہم نشین لب ہو
یہ آپ ہیں کہ ہر دم اپنی زبان پر ہیں

پامال ہیں مگر ہیں ثابت قدم وفا میں
ہم مثل سنگ در کے اُس آستان پر ہیں

اب تک ہے یاد ہم کو اپنی بلند نامی
اب بھی مٹے ہوئے ہم مٹتے نشان پر ہیں

ہر در کو ہم نے پایا ہے جلوہ گاہ تیرا
نقش جبیں ہمارے ہر آستان پر ہیں

یہ صورتیں تمہاری یہ ناز یہ ادائیں
قربان اے بتو ہم خالق کی شان پر ہیں

انداز وہ نظر کے جو آرزو کو روکیں
باتیں جو کر دیں ساکت اُن کی زبان پر ہیں

شکر خدا کہ اُنکے قدموں پہ سر ہے اپنا
اسوقت کچھ نہ پوچھو ہم آسمان پر ہیں

یہ قطرہ ہاے شبنم ہیں زینت گل تر
یا موتیوں کی لڑیاں اُس گل کے کان پر ہیں

ہر ذرہ کوے عشق احمد کا کہہ رہا ہے
جو اس زمین پر ہیں وہ آسمان پر ہیں

اب تک سمجھ رہے ہیں دل میں مجھی مسلماں
قایم ہنوز یہ بت اپنے گمان پر ہیں

اسلوب نظم اکبر فطرت سے ہے قریں تر
الفاظ ہیں محل پر معنی مکان پر ہیں

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان پر ہیں
دل میں ہے داغ حسرت قصے زبان پر ہیں

خلقت ہے جلوۂ حق پاتے ہیں اہل عرفاں
آنکھیں زمین پر ہیں دل آسمان پر ہیں

ہے دیدنی یہ منظر بازار کافری کی
گاہک بنا ہے تقویٰ بت بھی دکان پر ہیں

[illegible] ہیں [illegible] سمجھے [illegible] ہیں محل
یہ اعتراض اُنکے دل کی زبان پر ہیں

[illegible] ہے [illegible]
اے شمع ہم تو عاشق تیری زبان پر ہیں

غنچے [illegible] سمجھو [illegible]
اسوقت بے کسی میں گویا زبان پر ہیں

یہ خیر اندیش بھی حاضر ہے مداحوں کے زمرے میں
ادھر بھی اک نظر اپنی خوش اخلاقی کے صدقے میں
تمھارے سروِ قامت کو لکھ کر کلکِ قدرت نے
دکھا دی خوبیٔ انشائے ہستی ایک جملے میں

اگر ڈھونڈھو تو اکبر میں بھی پاؤ گے ہنر کوئی
اگر چاہو نکالو عیب تم اچھے سے اچھے میں

کیا کہیں اوروں کو یہ لیسے ہیں وہ ایسے ہیں
سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں
جانتے ہیں کہ اجل سر پہ کھڑی ہے لیکن
محو ہیں انجمنِ دہر میں خوش بیٹھے ہیں
عقل حیران ہے پروانوں کی اس حالت پر
شمع کو حس نہیں یہ جان دئے دیتے ہیں

منھ دیکھتے ہیں حضرتِ احباب پی رہے ہیں
کیا شیخ اسی لئے اب دنیا میں جی رہے ہیں
میں نے کہا جو اُس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
احباب اُٹھ گئے سب اب کون ہم نشیں ہو
واقف نہیں ہیں جن سے باقی وہی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا سوں کا
جو چاہتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

دل کو خود چھیڑے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں
چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں
جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں
زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں
سینے سے پُر سوز آہیں اُٹھتی ہیں اے ہمنشیں
لب پہ آ کر یہ جو نکلیں بے اثر تو کیا کروں
ہے خطا میری جو نکلے منھ سے لفظِ آرزو
آنکھ سے نکلے محبت کی نظر تو کیا کروں
دیر کیسا دل ہی میں کر لیتے ہیں بیت گذر
جلوہ گاہ اُنکا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

کھل گیا مجھ پر درِ دل اے حضور
غم نہیں گر آپ کا در وا نہیں
آ گیا فضلِ خدا سے فنِ صبر
اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

کروں اُس سے اسکا میں کیا گلا کہ توجہ انکی ادھر نہیں
مرا حال تو ہے یہ ہمنشیں کہ خود آپ اپنی خبر نہیں

گردشِ گردوں سے ہر دم ہم رنج افزا میں ہیں
یہ بھی اک سودا ہے ورنہ کیا ہمیں دنیا میں ہیں

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں
کیا سمجھتا وہ عالم دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

کان نے ہوش کو الجھایا ہے افسانوں میں
آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

سبھی ہیں تھیٹر کے جلسے میں سے ثانوں میں
واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں

شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے
آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں

نام اللہ و رسول اب تو ہیں کم سنتا ہوں
پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

یاد کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے
خوب مضمون ہیں اللہ کے دیوانوں میں

گرمی دل جو ہے منظور تو منطق یہ نہ پڑھ
عشق ہے آگ لگانے کے لئے جانوں میں

جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبر
مرد عاقل ہے وہی دہر کے مہمانوں میں

صاحب حسن مری آہ سے خوش رہتے ہیں
جس طرح اہل سخن واہ سے خوش رہتے ہیں

ہر مصیبت کی یہ توجیہ کیا کرتا ہے
اس لئے ہم دل آگاہ سے خوش رہتے ہیں

قائل قدرت طبیعت ہے ہماری اکبر
ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

یہ نکتہ ہائے بصیرت افزا جمال معنی میں کم نہیں ہیں
کہ شکل ظاہر جو دیکھتے ہو ہمارا پرتو ہی ہم نہیں ہیں

کنارہ کش ہو گئے ہر اک سے نہ سو تعلق نہ سو تردد
خوشی نہیں ہے یہی ہے اک غم طرح طرح کے الم نہیں ہیں

کچھ آج علاج دل بیمار تو کرلیں
اے جان جہاں آؤ ذرا پیار تو کرلیں

منہ ہم کو لگاتا ہی نہیں وہ بت کافر
کہتا ہے یہ اللہ سے انکار تو کرلیں

سمجھے ہوئے ہیں کام نکلتا ہی جنوں سے
کچھ تجربہ سبحہ و زنار تو کرلیں

سو جان سے ہو جاؤنگا راضی میں سزا پر
پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کرلیں

حج سے ہمیں انکار نہیں حضرت واعظ
طوف حرم کوچۂ دلدار تو کرلیں

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوت اکبر
خیر اس سے ہے کیا بحث ہم اصرار تو کرلیں

اے حریص بدماغی کی تجھ کو کیا ضرورت
نعمت سمجھ بلا کو لے لذت تماشا

ناکامیوں پہ اپنی روئینگے ہم کہاں تک
آخر یہ مخزن اشک اے چشم نم کہاں تک

کہتے ہیں دوست اکبر کو دیکھ کر بہ حسرت
ہے اسکا دم غنیمت لیکن یہ دم کہاں تک

قرب منزل کا مجھے دیتے ہیں مژدہ کیا خضر
ناتوانی سے سٹا جاتا ہے آپس کا رہ میں

ضعف سے یاں تو ہے دو گام بھی چلنا مشکل
نبض کے ساتھ ہے اب سانس کو چلنا مشکل

ہیں ہوا پر کفر کے گیسو پریشاں اندنوں
علم دیں مفقود ہے گم ہے صراط مستقیم
اپنے استاد کو یہ کیا لیجائے گا سوئے حجاز
بڑھ رہا ہے کفر زلف علت و معلول سے
شارح دیوان ہستی ہے قیاس مغربی
یاد کرتا ہے گذشتہ یا اثر لاحول کو
کفر نے سائنس کے پردے میں پھیلائے ہیں پانوں
صورت امروز میں گم ہے نگاہ ناتواں
زندگانی کی چمک سے دیدۂ عبرت ہے بند
ہے اوولیوشن[۱] بس اک تفسیر رب العالمین
من علیہا فان ہی پر ختم ہے قول فٹسٹ[۲]
ہیں مشاغل محفل احباب کے ناگفتہ بہ

کوسے دل میں کیونکر آئے لوسے ایماں اندنوں
خضر رہ بنتا ہے ہر غول بیاباں اندنوں
مست خود ہے بینڈ کی گت پر حدی خواں اندنوں
حسن فطرت ہے حجاب روے یزداں اندنوں
ہے ازل بھی تجربوں کے زیر فرماں اندنوں
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطاں اندنوں
بے زباں ہے بزم دل میں شمع ایماں اندنوں
نقش فردا چشم باطن سے ہے پنہاں اندنوں
کم نظر ہے جانب گور غریباں اندنوں
کاش اس نکتہ سے واقف ہوں مسلماں اندنوں
کیوں عبث برپا ہے اتنا شور طفلاں اندنوں
دم بخود بیٹھا ہے اکبر سا سخنداں اندنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ ساری تنبیہ
دیکھ تو انکے یہاں مذہب کا ساماں اندنوں

جنکے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
انکی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

[۱] ارتقا [۲] مسئلہ تنازع للبقا

تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر
اب شاعری وہ ہے جو ابھارے گناہ پر

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ میں خوش ہوں یا ملول
یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر

چہرے نے دی شہادت غم زرد ہو گیا
سختی یہ کیوں ہوئی مرے سچے گواہ پر

جو دیکھا غور سے یہ بات ثابت ہو گئی آخر
وہی ظاہر وہی باطن وہی اول وہی آخر

وہی غالب رہے مجھ کو ہوئی شرمندگی آخر
نہ مانا آپ نے اور خاطرِ اغیار کی آخر

وہاں الفاظ حضرت رہ ہیں یاں معنی ہیں منزل پر
زباں کا انکو دعویٰ ہے تو مجھ کو ناز ہے دل پر

سماعت گوش گل میں ہے نہ بینا دیدۂ نرگس
عجب کیا گریۂ شبنم جو ہے اس بزمِ غافل پر

مذہب کا ہو کیونکر علم و عمل دل ہی نہیں بھائی ایکطرف
کرکٹ کی کھلائی ایکطرف کالج کی پڑھائی ایکطرف

کیا ذوقِ عبادت ہو انکو جو مس کے لبوں کے شیدا ہیں
حلوائے بہشتی ایکطرف ہوٹل کی مٹھائی ایکطرف

طاعون و تپ اوڑھکی مچھر سب کچھ ہے پیدا کیچڑ سے
بیمے کی روائی ایکطرف اور ساری صفائی ایکطرف

مذہب کا تو دم وہ بھرتے ہیں بے پردہ تو انکو کرتے ہیں
اسلام کا دعویٰ ایکطرف یہ کافرادائی ایکطرف

ہر سمت تو ہے اک دامِ بلا رہ سکتے نہیں خوش کس طرح بھلا
اغیار کی کاوش ایکطرف آپس کی لڑائی ایکطرف

کیا کام چلے کیا رنگ جمے کیا بات بنے کون انکی سنے
ہے اکبر بیکس ایکطرف اور ساری خدائی ایکطرف

فریاد کئے جا اے اکبر کچھ ہو ہی رہیگا آخر کار
اللہ سے تو یہ ایکطرف صاحب کی دہائی ایکطرف

محفوظ ذہن رکھیں ہر دور ہم کہاں تک
اوراقِ ہسٹری میں نقشِ قلم کہاں تک

ہر قطرہ اور ذرہ ہے موردِ حوادث
دفتر نرا کہاں تک زورِ قسم کہاں تک

شخصی عیش خوارہ قومی سب حالتیں ہیں فانی
کبر و غرور کب تک جاہ و حشم کہاں تک

دیکھیں جو کچھ تو سمجھیں باتیں جو کچھ تو جانیں
کب تک خیال جنیں یہ قول و قسم کہاں تک

شہرت دکھا رہی ہے یہ تجدد کی بے ثباتی
عجزِ عرب کہاں تک نازِ عجم کہاں تک

تشدید ہو رہی ہے تنقید سے جو پیچھے
انپر وثوقِ صحت اے محترم کہاں تک

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو
اِسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

بقیہ صیغے بھی ماضی بنیں گے حال کے بعد
رہا جو زندہ وہ دیکھے گا بیس سال کے بعد

نظارۂ بتِ بے دیں نہیں ہے ہلاکی روح
اب اختیار ہے تمکو اس احتمال کے بعد

ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا
یہ لطف کیا کہ جدا اُن سے ہوں ملال کے بعد

رہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد ہی چمکے
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلّت نہیں سوال کے بعد

رنج ہے زیرِ فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھئے ماہ محرم ہی پڑا عید کے بعد

جلوۂ حسن کچھ آساں نہیں اے دیدۂ شوق
حور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

فریاد ہے اُسی کی طپش سے زبان پر
پہلو میں دل نہیں ہے مصیبت ہے جان پر

دونوں کا ارتباط خدا ہی کے ہاتھ ہے
دانہ تو زیر خاک ہے ابر آسمان پر

دل کو بھی اُنکے ملنے سے بہتر ہے احتراز
ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر

قبروں سے دوستوں کی بھرے ہیں سوادِ شہر
لوں کتنے نام روؤں میں کس کس نشان پر

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں نہوں وہ ھُوَالمُستعان پر

جب ہے زباں پہ دل کو نہیں اُس سے فائدہ
جو دل میں ہے وہ لا نہیں سکتے زبان پر

شکرِ خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے
یاروں کی اب تو بھیڑ ہے مے کی دکان پر

افسانۂ بہار و زبانِ نسیم۔ واہ
گل جامہ چاک کرتے ہیں اس داستان پر

جوش اُسکو کہتے ہیں کہ جو پیری میں بھی رہے
تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

از جمالت می تراود ہر زماں شانے دگر
وز خیالت می دمد ہر دم گلستانے دگر

انقلابے ہست در ذرات و ہوشم ہر نفس
ہر زماں دارم ز تو جسمے دگر جانے دگر

دل عطا کردی بمن قربان احسانت شوم
درد بخشیدی بہ دل ایں باشد احسانے دگر

ڈریں نہ حشر کی گرمی سے عاشقانِ رسول
رہے گا خوانِ فلک پر ضرر سے وہ محفوظ
اگرچہ صبح کو پھیکے ہیں مثل مہ صائم

لگے گی پیاس تو کوثر کا جام آئیگا
جسے خیال حلال و حرام آئیگا
چمک اوٹھینگے یہ جب وقت شام آئیگا

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اُس کا
لاکھ روپے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول

جسکے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا
دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

ایک اس عہد میں وہ دل بھی نہیں ہے کہ جو
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

یہ کیا صورت ہوئی پیدا یہ اِن کا اِدّعا کیا
ہمیں تو رنگ و بوئے گل یہ محبوبی ہی مستی ہے
بس آنکھیں بند ہوتی تھیں کہ بند ہاتھوں کا ماتم

بتانِ دیر کہتے ہیں ہمیں دیکھو جفا کیسا
مریضوں کو خبر ہوگی کہ ہے اسکا مزا کیسا
کسے اب یاد نقشہ عالمِ ہستی کا تھا کیسا

حلاوت زندگانی کی کہاں اس تلخ کامی میں
خدا کا حکم ہے جیتے ہیں اے اکبر مزا کیسا

اے دورِ فلک دنیا میں مجھے اب لطف ذرا باقی نہ رہا
محرومی کا شکوہ بھول گئے کیتائی پر اپنی فخر ہوا

جب ہم نفس اپنے اُٹھ گئے سب جینے کا مزا باقی نہ رہا
پیش و پس دولت میرے سوا جب کوئی گدا باقی نہ رہا

یہ پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا
یہی باتیں ہیں جن کی یاد تڑپا دیتی ہے دل کو
ہمارے دیر میں آکر کبھی اے شیخ بیٹھو تو
دلِ مشتاق اندیشوں سے کہتا ہے یہی ہر دم

اسی کا کام ہے ذوقِ نظر میں جل کے مر جانا
مزا انگڑائیاں لینا اور اُس ظالم کا ڈر جانا
نظر ہٹ پہ نہ کرنا اللہ ہی اللہ کر جانا
اُسی کو ڈھونڈھتے رہنا جہاں ہونا جدھر جانا

کھلے گل عطر بہار آئی چمن کا سماں بدلا
غموں سے رہائی ہو تردد نہ رہ جائے
سمجھ میں مصرت ہے مزا ہے جو مستی ہو

اِدھر آ مرے ساقی پلا دے مجھے صہبا
مزے میں غزل گاؤں کسی کا نہ ہو کھٹکا
خدا پہ بھروسہ اگر عیش ہے غمِ فردا

—۹۴ بحرِ طویل مخصوص بہ عرب فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلن—

تجربے نے حُبِّ دنیا سے سکھایا احتراز
پہلے کہتے تھے فقط منہ سے اور اب کرنا پڑا

شیخ کی مجلس میں بھی مفلس کی کچھ پرسش نہیں
دین کی خاطر سے دنیا کو طلب کرنا پڑا

کیا کہوں بے خود ہوا میں کس نگاہِ مست سے
عقل کو بھی میری ہستی کا ادب کرنا پڑا

اقتضائے فطرت کا رکنا ہے کہیں اے ہم نشیں
شیخ صاحب کو بھی آخر کارِ شب کرنا پڑا

عالمِ ہستی کو تھا مدِّ نظر کتمانِ راز
ایک شے کو دوسری شے کا سبب کرنا پڑا

شعر غیروں کے اُسے مطلق نہیں آتے پسند
حضرتِ اکبر کو بالآخر طلب کرنا پڑا

تیغیں نیام میں ہیں انداز جنگ بدلا
خاموش ہیں زبانیں محفل کا رنگ بدلا

مائی کو پوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے
اسٹیمروں سے مل کر انداز گنگ بدلا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا
دل سینے میں ہے منہ میں زباں ہو نہیں سکتا

تم غیر کے پہلو میں ہو میں بزم میں بیٹھا ل...
مجھ سے تو بیاں اے جانِ جہاں ہو نہیں سکتا

آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم
واللہ زبانوں سے بیاں ہو نہیں سکتا

معنی کی شعاعوں سے جو لکھ جاتا ہے دلبر
سچ یہ ہے وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا

کس طرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ اخلاص
ظاہر ہے کہ یہ کام یہاں ہو نہیں سکتا

بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی
اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہیں نہیں ختم
کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

یقیں خدا کا بتا لیتے جبیں سے ترک کیوں نہ کیا
نہ پوچھ کارِ نہی دور بیں سے کیوں نہ کیا

جو دل میں آتی ہے اس سے وہ خوش نہیں کرتی
سکوت خوب ہے لیکن مجھی سے کیوں نہ کیا

اٹھائی میرے ڈرانے کو زحمتِ دشنام
یہ کام آپ کی چینِ جبیں سے کیوں نہ کیا

تجھے تو ملتے ہیں اقتضائے عشق کے طعنے
نہاں جمال کو اپنے انہیں سے کیوں نہ کیا

جہانِ بے بقا سے کیا لگائے دل کوئی اکبر
گیا وہ آج پر حسرت جو ارماں لے کے کل آیا!

اشارہ ہے یہی بادِ صبا کا
چمن اک رنگ ہے اُس کی ادا کا

نسیم صبحگاہی وجد میں ہے
عجب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

عجیب برق بلا تھا نظارہ اُس بس کا
وجود ہی نہ رہا دل میں دین کے حس کا

نسیم و گل کے تعلق پہ یہ نہیں غمّاز
خدا زیادہ کرے نورِ چشمِ نرگس کا

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا
ہمیشہ مجھ پہ یہ کم بخت ہوش بار رہا

نشانِ شوکتِ انساں سبھی تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

بانکپن دل میں عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا
کی ترقی تو بہت پر وہ میاں پن نہ رہا

لان ٹینس کے لئے بن گئے شاہی گلزار
ساتھ سبزے کے ہجومِ گل و سوسن نہ رہا

راز کھل جاتا ہمارے نالۂ و فریاد کا
آپ سنتے ہی نہیں قصہ دلِ ناشاد کا

آسماں نے دل کی بربادی کی کچھ پروا نہ کی
کھیل تھا ویران کرنا خانۂ آباد کا

اِس نگاہِ حسرت آگیں سے نہایت تنگ ہوں
ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں مجھ پر کسی جلاد کا

مَس ہوا سے باغ کا ہے اب پروں کو ناگوار
اتنا خوگر ہو گیا ہوں پنجۂ صیاد کا

میری نظروں سے گری رہتی ہے دنیائے دنی
عرش منزل ہے یہ پہلو طبع کی اُفتاد کا

اُن کے پرچے کیلئے اکبر نے کہدی یہ غزل
شکر ہے اُترا تقاضا حضرتِ آزاد کا

اب تو ہے عشقِ بتاں میں زندگانی کا مزا
جب خدا کا سامنا ہوگا تو دیکھا جائیگا

ہے سبب جوشِ جنوں کا رنجِ ہجراں اے حضور
آپ تو تشریف لائیں ہوش بھی آجائیگا۔

عشقِ بت میں کفر کا مجھ کو ادب کرنا پڑا
جو برہمن نے کہا آخر وہ سب کرنا پڑا

صبر کرنا فرقتِ محبوب میں سمجھے تھے سہل
کھل گیا اپنی سمجھ کا حال جب کرنا پڑا

یہ گہرفشانی متصل ہے فقط نتیجۂ جوشِ دل
نہ ہوا میں طالبِ انجمن نہ کسی سے میں نے صلا لیا

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا
اُسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا

علیگڈھ کو شرف بخشا ہے اقبالِ نصاریٰ نے
کہ جو مسلم اُٹھا شوقِ ترقی میں یہیں آیا

وہ اک دن تھا میاں کو عار تھا صاحب بھی بننے میں
پڑا اب سایۂ مغرب تو بی بی بھی بنیں آیا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوا اے اکبر
اُڑا جو ذرّۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

چھا گئی زردی چمن پر جلوۂ گل ہو چکا
جو صرصر کے دن آئے دورِ بلبل ہو چکا

واعظا تجھ کو مبارک سنبلِ تقویٰ کے پیچ
اب تو دل میرا اسیرِ دامِ کاکل ہو چکا

بحرِ عرفاں کے لئے ہے کشتیٔ دل لازمی
سود منداِس راہ میں الفاظ کا پُل ہو چکا

کیا دلِ آگاہ سینوں میں نہیں باقی رہے
سنتے ہیں سرمایۂ اہلِ توکّل ہو چکا

سانس لینے میں بھی اے اکبر کرو اب احتیاط
موقعِ فریاد و آہِ بے تامّل ہو چکا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا اُنکے یہ شانِ نبوت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پُر نور ہوئی
یہ مہرِ ہدیٰ سبحان اللہ یہ صبحِ سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پرتوِ کرسی و عرش اُس دل کی بلندی صلّ علیٰ
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اُس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دنیا گونج اُٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیرِ ہدایت صلّ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

نغمہ ہے ترا دلکش اکبر مضموں ہے ترا پاکیزہ تر
بلبل کے ترانے صلّ علیٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

عمل اُٹھنے سے ہوا رخصت عقیدہ دل میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اُن کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

بیاں کرتا تھا بربادی کا اک برگِ خزاں دیدہ
رہا میں باغ میں دو دن کفِ افسوس مل آیا

محلّے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جا کر کود اُچھل آیا

بازارِ مغربی کی ہوا سے خدا بچائے
میں کیا مہاجنوں کا دوالا نکل گیا

کام کوئی مجھے باقی نہیں مرنے کے سوا
کچھ بھی کرنا نہیں اب کچھ بھی نہ کرنے کے سوا

حسرتوں کا بھی مری تم کبھی کرتے ہو خیال
تم کو کچھ اور بھی آتا ہے سنورنے کے سوا

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی
کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

محوِ حیرت ہی رہی بحر میں ہر چشمِ حباب
کچھ نہ تھی ہستیٔ امواج گزرنے کے سوا

میرے شکووں کو نہ پوچھیں ہیں خاموش حضور
کچھ نہ بن آئے گی واللہ مکرنے کے سوا

عشق کے فن میں ہے اکبر کا بھی درجہ عالی
عیب کچھ اسمیں نہیں ضبط نہ کرنے کے سوا

نہ باشد معتبر دل را سکون و اضطراب اینجا
غم و شادیست گردِ کاروانِ انقلاب اینجا

میا سادر ہجومِ جلوۂ دنیا کہ می بینم
سکونِ یک نفس سرمایۂ صد اضطراب اینجا

فریبِ بحرِ ہستی مایۂ کبر است غافل را
بہ اوجِ چرخ خواہد سر کشیدن ہر حباب اینجا

ز قرآں بے خبر منشیں وازعقبیٰ مشو غافل
چہ خوش گفت اکبرِ خوشگو حساب آنجا کتاب اینجا

تو نے جسے بنایا اس کو بگاڑ ڈالا
اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا

برباد کیا اجل نے مجھکو کیا؟ یہ کہئے
روحِ رواں نے اپنے دامن کو جھاڑ ڈالا

دستار و پیرہن گم اور جیب و کیسہ خالی
تہذیب مغربی نے ہمکو پچھاڑ ڈالا

بنیادِ دیں ہوائے دنیا نے منہدم کی
طوفان نے شجر کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا

اچھا ملا نتیجہ مجھکو مراسلت کا
قاصد کو قتل کرکے نامے کو پھاڑ ڈالا

پیغام آرہا ہے دلِ بیقرار کا
قائم ہے سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا

لائق ہوا ہے بوسۂ دامانِ یار کا
اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

باغِ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں
دوڑاؤں گل پہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا

غم دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا

تمھیں دیکھ حُسن کے فطرت نے یہ نقش کھینچے ورنہ
نہ یہ ہوتی چشم نرگس نہ یہ گل کا گوش ہوتا

دل و دیں ہیں سب کے صدقے یہ وہ خود نمائیاں ہے
کوئی زندہ ہی نہ رہتا جو وہ خود فروش ہوتا

نہ اُبھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے
کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا

حسنِ نظامی اکبر کا کلام سُن کے بولے
میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

[illegible] کو شمع سے پروانہ دور ہی اچھا
اگر ہے عشق تو قرب حضور ہی اچھا

[illegible]نا مجھے اے شیخ چشم ساقی نے
غرور زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

[illegible] جوش ہیں قربان ایسے جلوے پر
حباب حضرتِ موسیٰ کو طور ہی اچھا

[illegible] کے لئے کوئی مستقل مرکز
یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

[illegible] میں رہتا ہے بادۂ عرفان
سُنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

[illegible] پیمانہ رہ گیا
دنیا میں بزم جم کا اک افسانہ رہ گیا

[illegible] دیوانہ رہ گیا
افسوس شمع بجھ گئی پروانہ رہ گیا

[illegible] سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

[illegible] کے طالب
وہی پیدا کریگا دن بھی کی ہے جس نے شب پیدا

[illegible] کیا تھا
خوب تھی موت سوا موت کے چارہ کیا تھا

جان اللہ نے دی جسم [illegible] گور
ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

[illegible] وہ تماشا نکل گیا
اب گرد رہ گئی ہے یہ میلا نکل گیا

[illegible] پیمانے والے ہی رہ گئے
روحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا

[illegible] نیند آگئی
نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا

[illegible]
اچھا ہوا بخار تو دل کا نکل گیا

[illegible] کچھ ثبات ہے۔ آیا نکل گیا
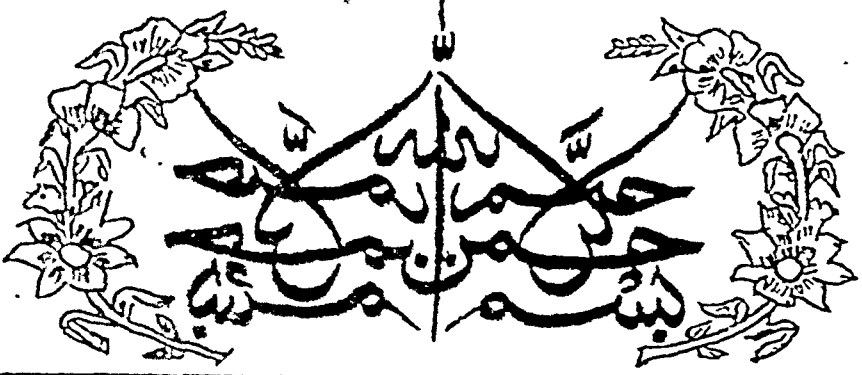
ذہن میں جو گھر گیا لاانتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا
دل کو جو پہونچائے ایذا وہ نہیں ہے اہل دل
ظلم کا باعث جو ہو درد آشنا کیونکر ہوا

طالب دنیا کو اکبر کسطرح سمجھوں میں خضر
خود جو گم ہے فکر میں وہ رہنما کیونکر ہوا

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا
اب فکرِ آخرت ہے دُنیا کو خوب دیکھا
اِسنے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتوں کا
یا اسنے خوب سمجھا یا اُسنے خوب دیکھا
نامِ خدا کو اکثر زیبِ زباں تو پایا
عشقِ بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا
اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

کوئی طاقت نہیں اب آپ کی طاقت کے سوا
کچھ بچا ہی نہیں میرے لئے محنت کے سوا
ہر ارادے میں نظر آتی ہے اک صورت یاس
شغل اب کچھ بھی نہیں فسخِ عزیمت کے سوا
اُسکو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش
میں نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا
سُکھ ملا جسکو زمانے میں مبارک ہو اُسے
ہم نے تو کچھ بھی نہ پایا غم و حسرت کے سوا
مطمئن ہو کے لگاتا ہوں لحد میں بستر
اب اُٹھاتا ہے مجھے کون قیامت کے سوا
عکس دنیا کے مرقع کا پڑا آنکھوں میں
دل میں اُتری نہ کوئی شے تری صورت کے سوا

نہ یہ رنگِ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا
یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا

انڈکس

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

حصّہ دوم

کُلّیاتِ اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لِسَانُ العَصر

حسب فرمایش سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام بابو شمبھر ناتھ صاحب بھارگو

اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد میں چھپا

سوم ایڈیشن . قیمت ۸؍ سنہ ۱۹۱۹ء